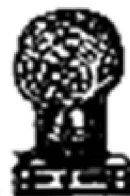
سلطان زین العابدین "بڈشاہ"

رضیہ سجاد ظہیر



نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دہلی

منصور حیدر راجہ

سلطان زین العابدین "بڈشاہ"

ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں —

سلطان زین العابدین "بڈشاہ"

رضیہ سجّاد ظہیر



نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دلّی

1975 (1896)

قیمت: 6/50.

Original Title: SULTAN ZAINUL ABIDIN 'BUDSHAH'

تقسیم کار

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ: نئی دلّی 110025 دلّی 110006 بمبئی 400003 علی گڑھ 202002

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، A-5 گرین پارک نئی دلّی 16 نے برٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی میں چھپوا کر شایع کیا۔

پیش لفظ

بچپن میں کہانیاں سُننے اور پڑھنے کا شوق کِسے نہیں ہوتا۔ بچّوں کے لیے ، نانی ، دادی کی اہمیّت اِس لیے بھی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ اُنھیں کہانیاں سُناتی ہیں! کہانیاں جن سے وقت بھی گُزرتا ہے ، معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور زندگی بسر کرنے کا سلیقہ بھی آتا ہے ۔

اُردو میں ایسے ادیب گِنے چُنے ہی ہیں جنھوں نے باقاعدہ پروگرام کے ساتھ بچّوں کے لیے ادب تخلیق کیا ہے ۔ ایسے ادیبوں میں ہمارے ہندوستان کے مرحوم صدر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین کا

نامِ نامی سرِ فہرست ہے۔ آپ کو بچّوں سے بے حد محبّت تھی اور اِسی واسطے سے بچّوں کے لیے اچھّے ادب کی تخلیق سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ آپ نے بچّوں کے لیے خود بھی لکھا، دوسروں سے بھی لکھوایا اور ایسے فنکاروں کی ہمّت افزائی کی جو بچّوں کے ادیب اور شاعر تھے۔

مرکزی وزارتِ تعلیم کی نشاندہی پر نیشنل بُک ٹرسٹ، انڈیا نے مرحوم صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں، بچّوں کے لیے کتابیں شایع کرنے کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔



کشمیر میں مسلمان سلطانوں کی حکومت کی شروعات، خاندانِ شاہ میر سے ہی ملتی ہے۔ اِس خاندان نے دو سو سال سے زیادہ کشمیر پر حکومت کی۔ زین العابدین اِسی خاندان کا عظیم بادشاہ تھا جس کو "بڈشاہ" کا لقب حاصل ہوا اور جس سے کشمیر کے سب خاص و عام محبت کرتے تھے۔

اس چھوٹی سی کتاب میں یہ گنجایش نہ تھی کہ بڈشاہ سے پہلے اور اس کے بعد کے بھی حالات بیان کیے جاتے، چنانچہ صرف اسی کے متعلق ایسی باتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے سبھی کو دلچسپی ہو۔ تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ کچھ سُنے سنائے قصے اور روائتیں بھی شامل کی گئی ہیں تاکہ کتاب کی دلچسپی زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب نوعمروں اور عام پڑھنے والوں کو پسند آئے گی۔

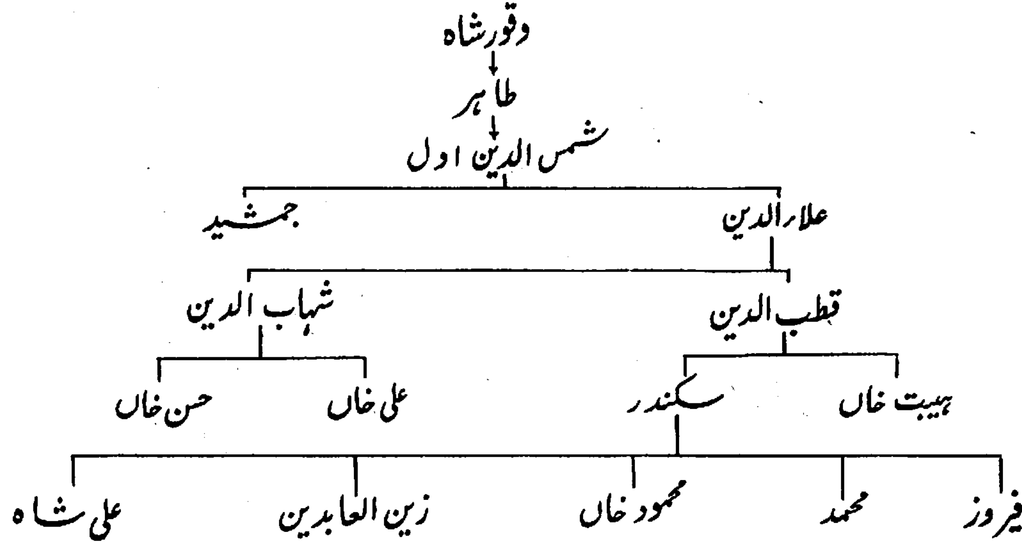
رضیہ سجاد ظہیر

1

کشمیر کے تمام مسلمان بادشاہوں میں سلطان زین العابدین یقیناً سب زیادہ عظیم تھا کیونکہ اُس کی حکومت میں، پچاس سال کے لیے لوگوں کو امن نصیب رہا، مُلک میں خوش حالی بڑھی اور سکون قائم رہا۔

اس کے عہد میں ایسی صنعتوں اور حرفتوں کو عروج ہوا جن کی وجہ سے کشمیر بہت مشہور ہوا ہے اور جو آج بھی کشمیر سے دُور دُور بھیجی جاتی ہیں۔ اُس نے عام لوگوں میں تعلیم پھیلائی۔ اُسے موسیقی اور مصوری کا بھی شوق تھا اور اُس نے اِن فنون کی بڑی سر پرستی کی اور کشمیر کو ایک بہت بڑا اور مضبوط ملک بنانے کے ساتھ ساتھ اس کو ایک تہذیبی مرکز بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی رعایا اُس سے بہت محبت کرتی تھی اور اس کو "بڈشاہ" یعنی بادشاہ اعظم کہتی تھی اور کشمیر کے عوام، آج کئی سو سال گزرنے کے بعد بھی اس کو اسی لقب سے یاد کرتے اور بڑے پیار اور احترام سے اُس کا نام لیتے ہیں۔ 'بڈشاہ' کا شجرۂ نسب اگلے صفحے پر دیا گیا ہے۔

زین العابدین کا خاندان — خاندانِ شاہ میر



اس کے بادشاہ ہونے (۱۴۲۰ء) سے لے کر اس کے انتقال (۱۴۷۰ء) تک کا وقت ایک لمبا عرصہ ہے جس میں اس کے ملک نے وہ ہر ممکن ترقی کی جو اُس زمانہ میں کی جا سکتی تھی۔

زین العابدین کے دادا شہاب الدین کا عہد فوجی کارناموں کے لیے مشہور ہے لیکن زین العابدین کا عہد کسی بھی فوجی کارنامے کے لیے مشہور نہیں ہے اور اگر دیکھا جائے تو یہی اُس سلطان کی عظمت تھی کہ وہ اپنی سلطنت کی حدوں کو پھیلانے یا اپنے ذاتی رتبے کو اور اونچا کرنے کے لیے جنگ کرنے اور ہزاروں کا خون بہانے کے خیال کو پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اس بات میں بڑائی جانتا تھا کہ اُس کی رعایا خوشحال ہو اور علم و فن ترقی کرے، انصاف کے خلاف کوئی فیصلہ نہ ہو اور وہ خود لوگوں میں معتبر اور مقبول ہو۔ البتہ اُس نے یہ ضرور خیال رکھا کہ جو کچھ علاقہ اس کے داد نے فتح کر لیا تھا وہ اس کے اختیار سے باہر نہ جانے پائے کیونکہ اُس علاقے کا بہت سا حصّہ کشمیر کے لیے فوجی اور کاروباری اہمیت خاص طور پر رکھتا تھا۔

لدّاخ اور بلتستان کو اس کے دادا شہاب الدین نے فتح کیا تھا مگر وہ اُس کی موت کے بعد آزاد ہو گئے تھے، چنانچہ علی شاہ کی وفات کے بعد زین العابدین نے پرگنہ لار میں ایک بڑی فوج اکٹھی کی اور اپنے سپہ سالاروں ہمت ریناؔ، احمد رینا اور محمد ماگرے کے ساتھ، وہاں کے لیے روانہ ہوا۔

درّہٗ زوجی کا کے پاس، اس کو پار کرنے کے بعد، زین العابدین نے لدّاخی

سردار ابملائے چہارم کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کا حلیف بن جائے۔

اسی مہم میں زین العابدین نے گوگے پر بھی حملہ کیا تھا۔ یہ جگہ گڑھوال کے شمال میں ہے اور اب تبّت کا حصّہ ہے۔ روایت ہے کہ یہاں اُس نے بُدھ کی مورتی کو قبائیلیوں کے ہاتھوں میں پڑ جانے سے بچایا۔ پھر اُس نے گگّو کے قصبے پر بھی بہت جلد قبضہ کر لیا۔ لیکن ان علاقوں کے سرداروں نے جلدی ہی پھر اپنے آپ کو، آزاد کرا لیا۔

۱۴۵۱ء میں سلطان نے اپنے بڑے لڑکے ادہم خاں کو پھر لدّاخ فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ۱۴۶۰ء اور ۱۴۷۰ء کے درمیان اُس نے خود لشکر کشی کی تھی لیکن اس آخری جنگ کی تفصیلیں کسی تاریخ میں نہیں ملتیں۔

اوہند کے سردار کو سکندر نے مغلوب کیا تھا لیکن اُس نے علی شاہ کے عہد میں پھر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور سندھ کا سردار اس کو مدد دے رہا تھا۔ سلطان زین العابدین نے اس کو شکست دی اور اس سے اپنا اقتدار منوالیا۔

زین العابدین کے عہد کے شروع زمانے میں ایک بڑی بغاوت چکوں کے سربراہ پانڈوچک نے بھی کی تھی۔ اُس کی بغاوت در اصل بے گار کے طریقے کے خلاف

ہڑتال کرانے سے شروع ہوئی تھی ۔ جب زین العابدین کمراج گیا تو اس کو ایک بھی مزدور نہیں ملا ۔ لیکن سلطان نے بہر حال ہر طرح سے لوگوں کو کام کرنے پر مجبور کیا ۔ جب سلطان چلا گیا تو پانڈو چک اور اس کے ساتھیوں نے کمراج کی سرکاری عمارتوں اور شاہی محل میں آگ لگادی ، پھر ان لوگوں نے اپنے خاندانوں کو دراڈ بھیج دیا اور خود ترگام کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ کر اُن میں چھپ گئے ۔

سلطان نے دوبارہ فوج بھیجی اور چکوں کے مکانات وغیرہ گروا دیے لیکن پانڈو موقعہ پاکر پھر پہنچا اور اُس نے دوبارہ محل میں آگ لگوادی ، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دراڈ بھاگ گیا ۔

اس پر زین العابدین نے پانڈو کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اُس نے پہلے دراڈ کے لوگوں کو روپیہ اور زمین وغیرہ دے کر اپنے طرف ملایا، پھر اُن کو کچھ سمجھا یا بُجھا یا ۔ دراڈ کے لوگ روز روز کی لڑائی سے عاجز آچکے تھے ، انھوں نے پانڈو کو گرفتار کروا دیا ۔ سلطان نے صرف عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو چھوڑ دیا ، اور زیادہ تر ایسے لوگوں کو جو لڑ سکتے تھے دراڈ سے باہر نکال دیا اور ترہ گام کے دور دراز کے دیہات میں

رہنے کے لیے بھیج دیا گیا۔

سلطان کے عہد کے آخری بیس بائیس سال اس کے لڑکوں ، ادہم ، حاجی اور بہرام کی بغاوتوں کی وجہ سے کافی ہنگامے سے بھرے ہوئے تھے۔ خاندانی روایات ایسی تھیں کہ چھوٹا بھائی ، بڑے بھائی کے بعد تخت پر بیٹھتا تھا ، چنانچہ سلطان نے اپنے چھوٹے بھائی محمود کو تخت کا وارث بنایا لیکن اس کا انتقال ہوگیا۔ ویسے تو ادہم سلطان کا بڑا بیٹا تھا اور سب کا یہی خیال تھا کہ ادہم ہی ولی عہد ہوگا مگر سلطان نے حاجی کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کردیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ادہم کو سخت ناگوار گزری اور سلطان نے دونوں بھائیوں میں دشمنی ہونے کا خطرہ پیدا ہونے کے خیال سے ، دونوں کو سری نگر میں ساتھ رکھنا مناسب نہیں سمجھا —— اور ادہم کو لدّاخ پر حملہ کرنے بھیجا کیوں کہ لدّاخ کے بادشاہ لچوگ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا تھا۔ اِس جنگ میں اَدہم کامیاب رہا ، فتح حاصل کرکے واپس ہوا اور جو کچھ مال ہاتھ آیا تھا وہ سلطان کے سپرد کیا۔

اِس درمیان سلطان نے حاجی کو لوہر کا گورنر بناکر بھیج دیا تھا۔

حاجی کے ساتھیوں اور دوست احباب میں کچھ ایسے لوگ تھے جو مستقل اس کو غلط مشورہ دیتے اور باپ بھائیوں کے خلاف اُکساتے رہتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے حاجی کو باپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا ۔ حاجی کے سپہ سالاروں نے جو فوجی حالات سے بخوبی واقف تھے ، حاجی کو ایسا قدم اُٹھانے سے روکنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ سلطان کے خلاف ہتھیار اُٹھانا غلطی ہوگی کیونکہ سلطان بہت طاقتور ہے اور اُس پر فتح پانا نا ممکن ہے ۔ لیکن حاجی نے ان کے مشوروں کو نہیں سُنا اور فوج لے کر حاجی پور کے راستے سے کشمیر میں داخل ہوگیا ۔

یہ خبر سُن کر سلطان بھی فوج لے کر چلا ۔ وہ اپنے بیٹے سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اُس نے مجبوراً ایسا کیا ۔ پھر بھی اُس نے ایک پڑھے لکھے برہمن کو اپنا قاصد بناکر ، بات چیت کرنے کے لیے آگے بھیجا مگر حاجی کے سپاہیوں نے اُس برہمن سے یہاں تک بدتمیزی اور بدسلوکی کی کہ اس کے دونوں کان کاٹ لیے ۔ حاجی کو اس بات کی خبر بہت دیر میں ملی جبکہ وہ برہمن واپس جا چکا تھا ۔ حاجی نے شرمندہ ہوکر یہ کوشش کی کہ باپ سے صلح کرلے مگر اب کی بار اس کے فوجی افسر اس کی اس رائے

کے مخالف ہو گئے اور اُسے یاد دلایا کہ وہ لوگ تو پہلے ہی سلطان سے جنگ کرنے کے خلاف تھے ، اب اگر خود اِدھر سے صلح کی پیشکش ہوگی تو حاجی خود تو بچ جائے گا مگر وہ سب کے سب پھنس جائیں گے ۔ مجبوراً حاجی کے سامنے ، اب ، باپ سے جنگ کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا ۔

اس درمیان سلطان کا وہ برہمن قاصد سلطان کے پاس پہنچ گیا اُس کی یہ دُرگت دیکھ کر سلطان کو بڑا ہی طیش آیا ، اُس نے حاجی اور اس کے ساتھیوں کو اس گستاخی کا مزا چکھانے کے لیے فوراً فوج کشی کا حکم دے دیا ۔ یہ فوج اَدہم کے کمان میں تھی ۔

پلّہ شیلا ایک ایسے مقام کا نام ہے جو راجوری کے راستے پر سری نگر سے ۳۴ میل جنوب میں واقعہ ہے ۔ بعد کو ، مغلوں کے عہد میں ، اسی جگہ پر ایک بہت بڑی سرائے بھی بنائی گئی تھی جہاں مسافر ٹھہرتے تھے ، کھاتے پیتے تھے اور تھکے ہوئے گھوڑوں کو بدل کر تازہ دم گھوڑے لے لیتے تھے ۔ اسی جگہ پر لڑائی ہوئی اور جو دن بھر ہوتی رہی ـــــ اور آخر کار حاجی کی فوج بہت بُری طرح ہاری اور بھاگ کھڑی ہوئی ـــــ ادہم نے اُن لوگوں کا پیچھا کیا اور چاہتا

تھا کہ حاجی کو گرفتار کرکے لائے مگر سلطان نے آدہم کو واپسی کا حکم دے دیا اور حاجی کسی نہ کسی طرح اپنے بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر بھمبھرا بھاگ گیا۔

اِس کے بعد سلطان نے ادہم کو اپنا ولی عہد نامزد کرکے اسے کمراج کا حاکم بھی بنا دیا۔

ان واقعات کے فوراً ہی بعد شدید برف باری ہوئی اور اُس کی وجہ سے سخت قحط پڑا کیونکہ ساری کی ساری فصلیں تباہ ہوگئیں۔ رعایا پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اور یہ نوبت پہونچ گئی کہ لوگ درختوں کی پتیاں اور گھاس پھوس کھاکر اپنا پیٹ بھرنے لگے۔ اور ایسا بھی وہی لوگ کرپائے جو زندہ بچ گئے تھے، ورنہ بے شمار لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگئے۔ چاول کے ایک خروار[1] کا بھاؤ تین سو دینار سے پندرہ سو دینار تک چڑھ گیا اور اکثر تو اس بھاؤ بھی دستیاب نہ ہوسکتا تھا۔ مہاجنوں اور بنیوں

---

[1] اس زمانے کا ایک وزن، تقریباً ایک من کے برابر۔

نے اِس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاکر، غریبوں کی بھوک سے خوب نفع خوری کی۔

سلطان اپنی رعایا کو اس مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے حد پریشان اور ہراسان ہوا اور ان تکلیفوں کو دور کرنے کی حد سے زیادہ کوششیں کیں۔ اس نے جگہ جگہ سرکاری گودام کھلوائے اور ان سے غلّہ تقسیم کروائے جانے کا انتظام کیا، چیزوں کی اور خاص کر اناج کی سرکاری قیمتیں مقرر کر کے نہ صرف اعلانات کروائے بلکہ تانبے کی تختیوں پر نرخ کھدواکر جابجا لگوائے۔ قحط ختم ہونے پر اس نے لوگوں کے وہ تمام قرضے معاف کر دیے جو اناج وغیرہ خریدنے کے سلسلے میں ان پر چڑھ گئے تھے، کھیتوں کے لگان اور ٹیکس معاف کیے اور کھیتی کے لیے سرکاری گوداموں سے بیج فراہم کیے جانے کا انتظام کیا۔

کشمیر میں لوگ اب تک اس قحط کے ایسے قصّے سُناتے ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ لوگ کہتے آئے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ سلطان زین العابدین نے قحط کے دنوں میں صرف ایک وقت کھانا کھایا اور وہ بھی ایسا کھانا جس میں چاول نہیں شامل ہوتا تھا۔ سرکاری گوداموں سے وہ خود اجناس وغیرہ نہیں لیتا تھا۔

وادی کے رہنے والوں نے ابھی قحط سے چھٹکارا پایا ہی تھا کہ اُن پر

سیلاب پھٹ پڑا ۔ یہ سیلاب قحط کے دو سال بعد ، سخت بارشوں کی وجہ سے آیا تھا ۔ اس میں سینکڑوں انسان اور مویشی مر گئے ، ہزاروں مکانات گر گئے ۔ بس اِتنا ہی غنیمت ہوا کہ اِس کا اثر دھان کے کھیتوں پر نہیں پڑا اور فصلیں تباہ نہیں ہوئیں ۔

اسی طرح کے سیلابوں کی مصیبت سے بچنے کے خیال سے سلطان نے جہلم کے اونچے کنارے ، یعنی اُس کے بلند سطح والے کناروں پر ، اندر کوٹ کے قریب ایک نیا شہر بھی آباد کیا ۔ اِس شہر کا نام زین تلک تھا ۔ اِسی نئے شہر میں سلطان نے راجوری کے جے سنگھ کا استقبال کیا اور اُس کو راجوری کا راجہ مقرر کیا ۔

سلطان کو امید تھی کہ جب ادہم کو ولی عہد نامزد کر دیا جائے گا اور اُسے کمراج کا حاکم بھی بنا دیا جائے گا تو آپس کے جھگڑوں کی اِس پریشانی سے نجات مل جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا ۔ ادہم جس علاقہ کا حاکم بنایا گیا ، وہاں کی رعایا پر وہ طرح طرح کے ظلم ڈھانے لگا ، لوگوں کا مال لُوٹتا اور زمینوں سے روپیہ زیادہ سے زیادہ وصول کرتا ۔ وہ بے حد حریص اور مغرور تھا ۔ اس کا زیادہ تر وقت شکار

میں یا عورتوں کی صحبت اور طرح طرح کی رنگینیوں میں کٹتا تھا۔ رعایا میں مقبول ہونے اور رعایا کی بہتری اور خوشحالی کے لیے اُس نے کچھ نہیں کیا۔ سلطان نے جن لوگوں کو زمینیں دی تھیں، وہ بھی اس نے اُن لوگوں سے چھین لیں۔ اور ولی عہد کے یہ حالات دیکھ کر اس کے، افسروں اور کارندوں نے بھی پیر پھیلائے، وہ طرح طرح سے رعیت کو لوٹتے اور لوگوں کو پریشان کرتے تھے، اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے اور عیش عشرت مین لگے رہتے۔ سلطان کو ان سب حالات کا پتہ لگتا رہتا تھا اور یہ باتیں اس کے لیے بہت ہی تکلیف دہ تھیں۔ اس نے اَدہم کو سمجھایا بجھایا مگر ادہم اُس کی نصیحت سننے کی بجائے اس کے خلاف بغاوت کرنے کھڑا ہوگیا — اور قطب الدین پور پہنچ کر اس نے اپنے باپ پر حملہ کردیا — آخرکار باپ کے سمجھانے بجھانے سے وہ کمراج کو واپس لوٹ گیا۔

اِس واقعہ کے بعد سے، فطری طور پر، زین العابدین کا اَدہم پر سے بھروسہ اُٹھ گیا اور اُس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اَدہم اب زیادہ دن اس سے وفاداری نہیں کرے گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے دوسرے بیٹے حاجی سے مدد طلب کی لیکن حاجی کے پہنچنے

سے پہلے اَدہم کو اِن حالات کا پتہ چل گیا اور اَدہم نے اس کو زیر کرنے کے لیے سو پور پر حملہ کیا۔ سوپور کے حاکم نے اس کا مقابلہ کیا لیکن ادہم زیادہ طاقت ور تھا اُس نے حاکم سوپور کو شکست دے دی اور سوپور میں بڑی لوٹ مار کی۔

سلطان نے ایک بڑی فوج بھیجی، سخت لڑائی کے بعد ادہم ہار گیا اور اس کے سپاہی جب بھاگنے کے لیے دریائے جہلم کو پار کر رہے تھے تو جہلم کا پُل ٹوٹ گیا اور ادہم کے تین چار سو آدمی اُس میں ڈوب کر ختم ہو گئے۔

اِسی درمیان سلطان کو بارہ مولا میں یہ اطلاع ملی کہ حاجی آ رہا ہے، اُس نے اپنے تیسرے بیٹے بہرام کو بھیجا کہ حاجی کو لے آئے — دونوں بھائی بڑی محبت سے ملے اور پھر اپنے باپ سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ادہم کو جب اِس بات کی خبر ہوئی تو وہ بہت گھبرایا اور وادیٔ سندھ میں (جو کشمیر کے شمالی حصّے میں ایک تنگ وادی ہے) چھپ گیا۔

زین العابدین حاجی کے ساتھ سری نگر واپس آیا اور ایک بار پھر حاجی کی ولی عہدی کا اعلان کیا گیا۔ اس کے اور اس کے تمام ساتھیوں کے پچھلے سب قصور معاف ہو گئے اور ان کو زمینیں اور جاگیریں دی گئیں، سلطان کو اُمید بندھی کہ حاجی اب

قاعدہ سے رہے گا ـــــ سلطان کو اپنے بیٹوں اور خاص کر حاجی سے بہت محبت تھی ، کیونکہ وہ نیک دل ، محنتی اور وضع دار تھا ـ مگر ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ بہت شراب پینے کا عادی ہوگیا تھا ، سلطان کو اُس کی یہ عادت ناپسند تھی اور اس کی وجہ سے حاجی کی صحت بھی تباہ اور برباد ہو رہی تھی ـ سلطان نے حاجی کو اس سلسلے میں بہت کچھ سمجھایا بُجھایا مگر حاجی پر باپ کی کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی ، اور وہ اپنی روش پر قائم رہا ـ آخرکار سلطان اس سے بہت عاجز اور رنجیدہ ہوگیا اور دونوں باپ بیٹے میں ایک طرح کا کھنچاؤ سا پیدا ہوگیا ـ

ان حالات کو کچھ ایسے امیروں وزیروں نے بھانپ لیا جو یہ چاہتے تھے کہ آدہم کی طاقت بڑھے ، انھوں نے اِن حالات سے فائدہ اُٹھاکر ادہم کو سری نگر بُلایا ـــ وہ فوراً سری نگر کی طرف روانہ ہوگیا ـــ سلطان کو ان کارگزاریوں کی خبر ہوئی تو اُس نے حاجی کے لڑکے حسن کو بھیجا ـ حسن ، پونچھ سے راجوری گیا اور یہاں چچا بھتیجے میں جنگ ہوئی جس میں حسن کو ہار ہوئی اور ادہم صحیح سلامت سری نگر پہنچ گیا ـ

سری نگر میں دونوں بھائیوں میں تو صلح ہوگئی مگر ادہم اور اس کے ساتھیوں اور خود حاجی کو بھی سلطان کی مہربانی اور محبت حاصل نہیں ہوئی حالانکہ دونوں اسی اُمید میں تھے ۔ بات دراصل یہ تھی کہ سلطان کا اب اپنے ان دونوں ہی بیٹوں پر سے اعتبار اُٹھ چکا تھا اور اِن دونوں ہی کی طرف سے اُس کا دل بالکل کھٹّا ہوچکا تھا ۔ چنانچہ اب اُس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے بہرام کو اپنے پاس بُلاکر اس کو خاص طور پر یہ سمجھایا کہ اسے بھی اَدہم پر اعتبار نہ کرنا چاہیے ۔

سلطان نے بہرام کو حاجی کے متعلق بھی سمجھایا اور خبردار کیا کہ اول تو وہ شراب کا عادی ہے اور کردار کا کمزور ہے ، دوسرے اُس کے سامنے اُس کا اپنا بیٹا حسن موجود ہے تو وہ بہرام کی ترّقی کیوں کر دیکھ سکے گا ۔ سلطان نے بہرام سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ حاجی کی صحبت میں اُٹھنا بیٹھنا چھوڑ دے تو وہ اُسے اپنا جانشیں بنانے کا اعلان کردے گا —— لیکن بہرام نے حاجی کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کردیا ۔

اس جگہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سلطان نے باری باری سے

اپنے سب لڑکوں کے لیے جانشینی کی بات سوچی لیکن اب وہ ان تینوں ہی سے کبیدہ خاطر اور نا یوس ہوچکا تھا ، اُس کے امیروں وزیروں نے اُسے رائے دی کہ وہ اپنے بیٹوں ہی میں سے کسی کو تخت کا وارث قرار دے کر اعلان کردے لیکن آخر میں سلطان نے اس رائے کو ماننے سے انکار کردیا کیونکہ سلطان کے خیال میں اَدہم حریص اور ساتھ ہی ساتھ کنجوس اور نا اہل بھی تھا اور اس کے تمام ساتھی بے ایمان اور موقعہ پرست تھے جو اس کو غلط راستوں پر ڈالتے رہتے تھے —— حاجی شرابی تھا اس لیے وہ سنجیدہ غور و فکر کرنے یا کسی بات کے متعلق کسی بھی نتیجے پر پہنچنے کی لیاقت نہیں رکھتا تھا —— اور بہرام نے باپ کی بات ہی نہیں مانی جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ عیاش اور لاپرواہ تھا ، وہ حاجی کے ساتھ لگا رہنا چاہتا تھا تاکہ خود اس پر کوئی ذمہ داری نہ آئے ، اپنی عیاشی سے وقت نکال کر امور سلطنت اور سیاسی گتھیوں کو سُلجھانے کی طرف اُس کی طبیعت مائل نہیں ہوتی تھی ۔

چنانچہ سلطان نے خود کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے اور اس کے متعلق

کوئی اعلان کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس رائے کا اظہار کیا کہ اس کی وفات کے بعد جو بھی زیادہ طاقتور ہوگا وہ تلوار کے زور سے خود ہی سلطنت پر قبضہ کرے گا۔ چاہے اس وقت وہ تینوں بظاہر دوست ہی کیوں نہ ہوگئے ہوں۔

سلطان کا یہ خیال بالکل صحیح ثابت ہوا کیونکہ اِس کے لڑکوں کی ظاہری دوستی کمزور پڑنے لگی، بہرام نے اَدہم اور حاجی کے درمیان جھگڑا کروا دیا۔ اور دونوں میں پھوٹ ڈال کر اس نے حاجی کو اپنی طرف مِلا لیا اور ادہم کو بالکل ہی نکال پھینکنے کی سازشیں ہونے لگیں، ادہم نے اس خوف سے اپنے باپ کی پناہ حاصل کرنی چاہی مگر سلطان نے اس کو بزدل کہا اور اُس کی مدد کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اِس پر اَدہم قطب الدین پور چلا گیا مگر ہوشیار رہا۔

سلطان زین العابدین کی زندگی کا آخری دوَر نہایت ہی دردناک ہے۔ جیسا کہ ہم اکثر سلاطین کی زندگی میں دیکھتے ہیں، زین العابدین کو بھی اپنے لڑکوں کے آپسی جھگڑوں اور عیش پسندی اور غیر ذمہ داری اور تخت کے لیے اُن کی حرص اور سازشوں سے گہرا غم اور تکلیف پہونچی تھی۔ اُسے اپنی بیوی

تاج خاتون کی موت سے بھی شدید صدمہ ہوا کیونکہ سلطان کو اس سے بے حد محبت تھی اور وہ صرف اس کی وفادار اور محبت شعار بیوی ہی نہیں بلکہ ہر معاملہ میں اُس کی سچی رفیق، دوست اور صلاح کار تھی۔ سلطان کے بہت سے وزیر اور مشیر بھی آہستہ آہستہ انتقال کرتے گئے اور آخر میں کوئی ایسا نہ بچا جو سلطان کو صحیح مشورہ دے سکتا یا جسے سلطان اپنا خیر خواہ سمجھ سکتا۔ زیادہ تر درباری ایسے تھے جو اس کے سامنے اس کی سی کہتے تھے اور اس کے بیٹوں کے سامنے اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور ان کے ساتھ مل کر سلطان کے خلاف سازشوں میں حصہ لیتے تھے، سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے ساری زندگی جو محنت اور ریاض کیا تھا سب پر پانی پھر رہا تھا اور وہ خود اتنا کمزور اور مایوس ہوچکا تھا کہ اس کے خلاف کچھ نہیں کر پاتا تھا۔ اس کے چاروں طرف جو خطرات بکھرے ہوئے تھے اُن سے لڑنے اور اُن کا مقابلہ کرنے یا اُن کے خلاف کسی پالیسی پر غور بھی کرنے کی طاقت اُس میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔

اب اُس کے اندر ایک خاص تبدیلی یہ آنی شروع ہوگئی تھی کہ وہ

مذہب کی گود میں پناہ اور سکون ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگا ۔ وہ اپنی موت کی دعائیں مانگتا ، ویدوں کے اشلوک پڑھوا کر سُنا کرتا کہ اُسے کچھ روحانی تسکین اور قوت ملے ، اس نے سرکاری کاغذوں پر دستخط کرنے بند کر دیے ، امیروں وزیروں سے حکومت کے مسئلوں اور مشکلوں پر صلاح مشورہ کرنا بند کر دیا ۔ زیادہ تر وقت خاموش رہتا ، خدا کی طرف لو لگانے کی کوشش میں مصروف ، اور اس خیال کا اظہار کرتا کہ اُسے دُنیا کی ہر بات اور ہر چیز سے نفرت سی ہوگئی ہے ۔

عظیم شہنشاہوں کا یوں دُنیاداری کی طرف سے ہٹ کر روحانیت میں پناہ لینے کی کوشش کرنا ہمیں اکثر تاریخ کے صفحات پر نظر آتا ہے ، اور اس کی عام طور پر وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تمام عظمت کے باوجود آخر میں تنہا رہ جاتے ہیں ، صرف اُن کا ٹوٹا ہوا مایوس دل ان کا ساتھی ہوتا ہے ۔ چاروں طرف اُن کو وہ لوگ حرص اور لالچ میں گرفتار نظر آتے ہیں جن سے انھوں نے اُمیدیں باندھی تھیں ، جن سے انھوں نے محبت کی تھی ۔

جب سلطان کا آخری وقت قریب آیا تو بہرام نے اپنے بڑے بھائی حاجی کو یہ مشورہ دیا کہ مخالف امیروں کو گرفتار کر لیا جائے اور خزانے پر قبضہ کرکے اپنی پوزیشن کو مضبوط بنا لیا جائے ۔ لیکن حاجی نے یہ صلاح قبول کرنے سے اِنکار کردیا اور جواب دیا کہ وہ ایسے وقت پر اپنے باپ کو اِتنا بڑا صدمہ نہیں پہنچا سکتا ۔ اس کے بعد حاجی محل میں گیا اور تمام رات سلطان کے پاس رہا ، سلطان اس وقت آخری سانسیں لے رہا تھا اور اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اب وہ زندہ نہیں بچے گا ۔

جب اَدہم کو سلطان کی اِس حالت کی خبر ہوئی تو وہ قطب الدین پُور میں تھا ۔ وہ اپنی فوج لے کر حکومت اور تخت و تاج پر قبضہ کرنے کی کوشش میں نوشہرہ کی طرف چَلا لیکن سیدھے راجدھانی پر فوج لے کر چڑھنے کے بجائے وہ راستے ہی میں رُکا اور رات کو شہر سے باہر پڑاؤ کرکے رات بھر وہیں رہا ۔

اسی درمیان شاہی خزانچی نے جس کا نام حسن کچھی تھا ، حاجی کے نام پر وفاداری کا حلف اُٹھالیا اور شاہی خزانہ اس کے حوالے کر دیا ، پھر حاجی

نے بہرام اور حسن کچھی کے مشورہ پر تمام لشکر کے گھوڑوں وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ اَدہم نے یہ خبر سُنی تو وہ بہت پریشان ہوا ـــــ اور اپنی ناکامیابی کے تمام آثار دیکھ کر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ بھاگ کھڑا ہو۔ کچھ ہی دنوں بعد حاجی کا بیٹا حسن جو پونچھ کا حاکم تھا، وہ بھی اپنے باپ کی مدد کو آ پہونچا، اِس سے حاجی کی حیثیت اور بھی مضبوط ہوگئی۔

ایک طرف یہ آپس کے جھگڑے اور تخت کے لیے باہمی لڑائیاں تھیں اور دوسری طرف سلطان بسترِ مرگ پر پڑا تھا۔

آخر کار ۱۲ر مئی ۱۴۷۰ء کو، جمعہ کے دن، دوپہر کے وقت اس کی رُوح نے اِن تمام تکلیف دہ حالات سے چھٹکارا پالیا۔ مرنے کے وقت اُس کی عمر ۶۹ برس کی تھی۔ اُس کا جنازہ مزارِ سلاطین لے جایا گیا۔

اُس کی رعایا نے اُس کا بڑا غم کیا، اس کے اصلی چاہنے والے وہی لوگ تھے، عام لوگ، جن کے لیے اُس نے بہت کچھ کیا تھا، جنھیں وہ سچے دل سے ایک مہربان حاکم کی طرح پیار کرتا تھا اور جو اُس سے محبت کرتے تھے لیکن اُن حالات میں اپنے بادشاہ کے لیے تسکین اور خوشی کا کوئی

سامان مہیا کرنے سے مجبور تھے۔

شری ور کے بیان کے مطابق اُس دن دارالسلطنت میں کسی کے یہاں چولھا نہیں سُلگا، کسی نے کچھ نہیں کھایا پیا، اور لوگ اس کی موت پر آہ و بکا کرتے رہے۔ حاجی نے بھی باپ کا بہت غم کیا اور کئی دن اس کا سوگ منایا۔ اُسے اِس بات کا ہمیشہ غم رہا کہ اُس نے اپنے باپ کو بہت دُکھ دیے تھے۔

اس طرح یہ عظیم بادشاہ تقریباً آدھی صدی تک حکومت کرکے اور لوگوں کے دلوں پر اپنا سکّہ جما کے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پیوندِ خاک ہوگیا۔

اس کے مدفن کے متعلق شری ور لکھتا ہے "وہ وہاں دفن ہوا جہاں بادشاہ لوگ ایسے خوب صورت لگتے ہیں جیسے وہ گہری نیند میں سو رہے ہوں۔ ایک لمبا سا، بلوری شفاف پتھر اس کی قبر پر لگایا گیا جو سب سے اونچا نظر آتا ہے۔"

لیکن اب اِس پتھر کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ البتہ قبر موجود ہے جو شری ور کے قول کے مطابق سولہ ہاتھ لمبی اور سات ہاتھ چوڑی ہے۔

2

زین العابدین کی شخصیت

تاریخوں میں سلطان کی صورت شکل کا کوئی بیان نہیں ملتا، شری ور بس اتنا ہی لکھتا ہے کہ سلطان خوب صورت تھا اور اس کی لمبی، سیاہ ڈاڑھی اس پر خوب سجتی تھی۔ تذکروں سے البتہ یہ ضرور اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان زین العابدین میں اپنے دادا شہاب الدین کی سی جسمانی قوت اور طاقت نہیں تھی۔ یہ بھی کہیں سے ظاہر اور ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جنگ جوئی یا سپاہیانہ کاموں میں دلیر تھا کیونکہ اُس نے کوئی بڑا فوجی کارنامہ کبھی انجام نہیں دیا۔ یوں تو اس نے علی شاہ کو شکست دی تھی لیکن اِس کا سبب اُس کی ذاتی شجاعت نہیں تھی بلکہ یہ تھا کہ جسرت کھوکھر نے اُس کی بَر وقت امداد کی تھی۔

لدّاخ، بلتِستان اور کُلُو میں اُس کی جس فوج نے فتح پائی اس کا بھی وہ خود سپہ سالار نہیں تھا بلکہ اس کے نائب اور فوجی سردار تھے۔

در اصل سلطان زین العابدین کی ذاتی طبیعت اور اُس کے مزاج کی اُفتاد جس طرح کی تھی اُس سے یہی امید کی جاسکتی تھی ۔ اُس کو بہت کم غصہ آتا تھا ، فطرتاً وہ نیک ، رحمدل اور مہربان طبیعت کا اِنسان تھا ، اپنے پورے خاندان سے تو اُسے محبت تھی ہی ، اپنے درباریوں اور دوستوں ، ساتھیوں کے خاندان والوں سے بھی اُسے محبت تھی اور وہ اُن لوگوں کا خاص خیال رکھا کرتا تھا ، سب کے ساتھ شفقت اور عنایت سے پیش آتا تھا ۔ مشہور ہے کہ جب اس کے ایک عزیز وزیر شیوبھٹ کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے اس کا بے حد غم کیا ، اس کے لیے سوگ منایا اور اپنے عزیز دوست کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لیے اس کے نام پر کثیر رقم خیرات کی ۔

شاید یہی وجہ تھی کہ بادشاہ نے بہت نقصان بھی اُٹھایا کیونکہ بیٹوں کے سلسلے میں اگر اس نے ذرا سختی برتی ہوتی ، تو غالباً آخر میں حکومت اور حالات میں اتنی گڑبڑ نہ ہوتی ، مگر وہ اپنے بیٹوں کو اتنا زیادہ چاہتا تھا کہ اُن کی بغاوتوں اور بدتمیزیوں کے باوجود بھی ان سے بنائے رکھنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی اور ان میں سے ہر ایک کو موقعہ دیا اور پھر بھی جب

وہ راہ راست پر نہ آئے تو ان کو سزا دینا اُسے منظور نہ ہوا۔

دراصل سلطان زین العابدین کے جسم میں ایک فرماں روا کی نہیں بلکہ ایک فن کار کی روح تھی، یہی وجہ تھی کہ اُسے مذہب اور مذہب کے بنیادی اصول یعنی انسان دوستی سے بھی لگاؤ تھا۔ اپنے مذہب کے وہ تمام فرائض کو دل سے، پابندی کے ساتھ ادا کرتا تھا اور اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے مذہبوں کی بھی عزّت کرتا تھا، اسے مقدس کتابوں کو پڑھواکر سننے کا شوق تھا، صوفیوں، پڑھے لکھوں اور عالموں کی صحبت میں بیٹھنا اُسے بہت پسند تھا۔ برہمنوں، پنڈتوں اور عالموں کو اس نے جاگیریں عطا کیں تاکہ وہ روزگار کی فکر سے آزاد ہوکر اطمینان سے علم و فن کی خدمت کرسکیں۔ حکومت کے انتظام اور انصاف میں بھی وہ بڑے بڑے مذہبی رہناؤں کی رائے ضرور لے لیا کرتا تھا۔

سلطان کی اپنی گھریلو زندگی کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں مگر تھوڑا بہت پتہ چلتا ہے۔ سب سے پہلے اُس کی شادی سیّد محمد بیہقی کی بیٹی، تاج خاتون سے ہوئی تھی۔ سلطان اپنی اِس بیوی سے بہت محبت کرتا تھا

اور وہ بھی سلطان کی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کی دوست ، رفیق اور صلاح کار تھی ۔ عام طور پر بڑے سلطانوں کی بیگمات ، محلوں میں ، اندر اندر ، قِسم قِسم کی سازشیں کرتی رہتی تھیں ، اور حکومت کی اُلٹ پلٹ اور سیاست میں اپنا دخل دیتی رہتی تھیں ، لیکن تاج خاتون نے ایسا کبھی نہیں کیا ۔ کشمیر میں لوگ اب تک اس کی نیکی ، فیاضی اور سادگی کے قصّے کہتے ہیں جو سینہ بسینہ چلے آئے ہیں ۔ سلطان کو اپنی رفیق بیوی کی موت کا بڑا شدید صدمہ ہوا تھا جس نے اس کو بالکل توڑ دیا ۔

تاج خاتون سے صرف دو بیٹیاں تھیں ، جن میں سے ایک کی شادی سید حسن بیہقی سے اور دوسری کی پکھلی کے راجہ سے ہوئی ۔

سلطان کی دو بیویاں اور تھیں جو جموں کی شہزادیاں تھیں ، اِن سے چار لڑکے ، اَدہم ، حاجی ، بہرام اور جسرت تھے ۔ جسرت کا انتقال کم عمری میں ہوگیا اور باقی تین کا کچھ حال آپ پہلے پڑھ چکے ہیں ۔

سلطان زین العابدین نے ایک وقت میں تین سے زیادہ بیویاں کبھی نہیں رکھیں اور اس کے حرم میں اس زمانے کے بادشاہوں کی طرح کنیزیں رکھنے کا

دستور بھی نہیں تھا۔

سلطان کو اپنے دوسرے بیٹے حاجی سے، جسے وہ بہت چاہتا تھا سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ وہ شراب پیتا تھا۔ سلطان کو خود بھی شراب سے پرہیز نہیں تھا، لیکن وہ نہایت سلیقے اور نفاست سے پیتا تھا اور کسی نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ سلطان پر شراب کا ایسا اثر ہوا ہو کہ وہ اپنے ہوش حواس کھو بیٹھا ہو۔

3

ملک و رعایا کی بہتری کے واسطے

سلطان زین العابدین نے ملک کی بہتری اور رعایا کی خوشحالی کے لیے جتنا کچھ کیا، اتنا کشمیر کے کسی دوسرے فرماں روا نے نہیں کیا۔ وہ اپنے افسروں کے بندوبست اور طور طریقوں کو پرکھنے کے لیے اپنے ملک بھر کا چکّر لگایا کرتا تھا اور راجدھانی میں تو اکثر خلیفہ ہارون الرشید کی طرح بھیس بدل کر، راتوں کو سڑکوں، گلیوں اور ایسی ایسی جگہوں پر گھومتا تھا کہ جہاں کوئی اس کی موجودگی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے عہد میں خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام بہت اچھّا تھا اور ملک کے کونے کونے سے اس کو ہر قسم کی خبریں اپنے معتبر جاسوسوں کے ذریعہ ملتی رہتی تھیں، جہاں کہیں سے کسی حاکم کی رشوت خوری یا رعایا کو پریشان کرنے کی اطلاع ملتی، وہ اُس کے متعلق تفتیش کرتا اور اُس افسر سے جواب طلب کرتا اور سزا دیتا۔ اُس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ ہر جرمانے کے لیے سرکاری لکھا پڑھی کی جائے تاکہ افسر لوگ کسی سے زائد رقم نہ لے سکیں اور رشوت خوری رواج نہ پا جائے۔

غالباً وہ شہنشاہ اشوک کی مثال سے بہت متاثر تھا اور اسی لیے اس نے اپنے احکامات اور سرکاری قانون تانبے کی تختیوں پر کھدوا کے، جا بجا لگوا دیے تھے۔ اس کے علاوہ چیزوں کی قیمتیں بھی سرکاری طور سے مقرر کروا کے، اس طرح تختیوں پر کھدوا کر جا بجا نصب کروائیں تاکہ کوئی بھی سوداگر اور دوکان دار، عام رعایا کو زیادہ قیمت پر کوئی سامان نہ بیچ سکے۔ تاجروں کے پاس اور تھوک فروشوں کے گوداموں میں جتنا مال اور ذخیرہ ہوتا تھا اس کی تفصیل سے بھی حکومت واقف رہتی تھی تاکہ ذخیرہ اندوزی اور چوربازاری رواج نہ پا جائے۔

زین العابدین کے عہد میں تانبہ کانوں سے برآمد کیا جاتا تھا اور اُسے صرف سلطان شاہی و سرکاری ضروریات کے لیے کام میں لاتا تھا۔ دریاؤں کے بالو سے سونے کے ذرّے اکٹھے کیے جاتے تھے اور حکومت اس کا چھٹا حصّہ لے لیتی تھی۔ تانبہ سکّے ڈھالنے اور تختیاں وغیرہ بنانے کے کام میں استعمال ہوتا تھا۔

سلطان کو عدل و انصاف کا خاص خیال تھا اور جرم کرنے والوں کو سزا دینے کے اصول کو وہ مانتا تھا، چاہے مجرم شاہی خاندان سے کتنے ہی قریب ہوں یا ذاتی طور پر اس کے عزیز یا دوست ہوں۔ اس کے ایک خاص دوست میر شاہ

نے غصے میں اپنی بیوی کو قتل کردیا تھا مگر سلطان نے باوجود اس کے کہ وہ سلطان کا بڑا عزیز دوست تھا ۔ میرشاہ کو سزائے موت دی۔ اپنی نرم دلی کی بنا پر سلطان سزائے موت کے موافق نہ تھا مگر سنگین جرائم کے لیے اس کو لازمی سمجھتا تھا۔ معمولی جرائم کے لیے معمولی سزائیں بھی تھیں، مثلاً یہ کہ ان لوگوں کو سزائے موت یا قید نہ دی جائے بلکہ کوڑے بھی نہ لگائے جائیں جو کہ صرف چوری کریں اور قتل نہ کریں بلکہ ان کو پا بہ زنجیر کرکے اُن سے سرکاری عمارتیں بنوانے کا کام کروایا جائے۔

اسی طرح جو آوارہ گرد لوگ اِدھر اُدھر چوری چکاری کرتے یا بے کار گھومتے رہتے تھے اُن سب کو پکڑ کر کھیتی باڑی کے کام میں لگادیا جاتا جہاں سے اُنھیں کھانا اور کچھ مقررہ رقم بھی ملتی تھی۔ اگر کسی گاؤں میں چوری ہوجاتی تو وہاں کے کچھ مخصوص لوگوں سے پوچھ گچھ ہوتی اور اُن پر جرمانہ کیا جاتا۔ گویا وہ لوگ گاؤں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے اور اگر کوئی واردات ہوتی تو اس کے لیے وہ جواب دہ ہوتے تھے۔ اور اس طرح عام لوگ آرام سے اپنے گھروں میں پیر پھیلا کے سوتے اور لوگ بے خوف و خطر جنگلوں اور سنسان مقامات کا سفرات اور دن میں کسی وقت بھی کرسکتے تھے۔

سلطان نے لوگوں کے عام فائدے کے لیے اسپتال بھی کھولے اور معذور غریبوں اور مستقل بیماروں کے لیے خیرات خانوں کا بھی انتظام کیا، جہاں سے مفت کھانا پینا ملتا تھا۔ مسافروں اور یاتریوں کے لیے متعدد سرائیں اور پڑاؤ وغیرہ بنوائے۔

جو لوگ کشمیر کے ہیں یا کشمیر کے متعلق کچھ معلومات رکھتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ وہاں کبھی کبھی زمین کی چوری کی خبریں آتی ہیں۔ یہ نہایت ہی دل چسپ بات ہے کہ کشمیر میں بہتے ہوئے جزیرے ہوتے ہیں جن پر مخصوص اناج یا سبزیاں وغیرہ بوئی جاتی ہیں۔ ان جزیروں کو کھے کر، پانی ہی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکتا ہے اور ان کو چرایا بھی جا سکتا ہے۔ یہ بہتے ہوئے جزیرے سلطان زین العابدین کی ہی ایجاد بتاتے جاتے ہیں۔ اس ایجاد سے زمین کے ساتھ ساتھ، پانی کی سطح کو بھی اناج و دیگر کھانے پینے کی چیزیں اُگانے کے قابل بناکر، استعمال کرنا ممکن ہو گیا تھا۔

سلطان کے عہد میں کافی بڑے بنجر علاقے کو کاشت کے قابل بنایا گیا اور دلدلوں کو خشک کیا گیا۔ بہت سے تالاب، نہریں اور بند بناکر آب پاشی کے طریقوں میں ترقی پیدا کی گئی۔ اس کی بنوائی ہوئی اہم نہروں میں سے کچھ یہ ہیں:-

۱۔ **مار نہر یا نالا مار** ——— پہلے ڈل جھیل کا فالتو پانی، حبّہ کدل کے پاس جہلم میں

گر جاتا تھا۔ زین العابدین نے جھیل کے پانی کو مار نہر میں موڑ دیا اور پھر اس کو اور آگے بڑھا کر شادی پور تک پہنچا دیا۔ وہاں یہ نہر جہلم اور سندھ کے سنگم میں مل جاتی تھی۔ ایسا کرنے سے ایک بہت بڑے رقبے کو پانی مل گیا اور وہاں کھیتی باڑی ہونے لگی۔ سلطان نے اس نہر پر کئی عدد پُل بھی تعمیر کروائے اور آج یہ نہر سری نگر اور ڈل جھیل کے بیچ میں ایک اہم راستہ ہے۔

۲۔ پوہر نہر ـــــــ جو پوہر ندی کا پانی زین گیر کے علاقے میں پہونچاتی تھی۔ قصبہ زین گیر سلطان زین العابدین نے ہی بسایا تھا اور یہ نہر، پوہر ندی پر بند باندھ کر، پانی کا رُخ موڑ کر بنائی گئی تھی، اس نہر کی وجہ سے اس علاقے میں دھان کی کھیتی کو بے حد فائدہ پہنچا اور چاول بکثرت پیدا ہوا۔

۳۔ شاہ کل یا مارتنڈ نہر ـــــــ یہ نہر لدرؔ ندی کے پانی کو کاٹ کر بنائی گئی اور سطح مرتفع پر پانی پہنچاتی تھی۔ اس سے سلطان نے سطح مرتفع پر گنےؔ کی کاشت خاص طور پر کروائی۔

۴۔ اونتی پور نہر اور صفا پور نہر ـــــــ یہ دو نہریں قدرے چھوٹی تھیں لیکن یہ بھی سلطان کی ہی منصوبہ بندی کے تحت بنائی گئی تھیں۔ یہ اونتی پور اور

بنسل جھیل کے آس پاس کے علاقے زمین کی آب پاشی کرتی تھیں۔

جیسا کہ تاریخ اور روایت دونوں ہی ہمیں بتاتی ہیں، سلطان زین العابدین علم اور ادب کا بڑا شائق اور سرپرست تھا اور اس نے عالموں، فاضلوں کو روزگار اور اخراجات کی پریشانیوں سے بچانے کے لیے ان کو زمینیں اور جاگیریں بخشی تھیں اور زیادہ تر عالموں کے قیام کا سرکاری انتظام نوشہرہ میں کر دیا گیا تھا۔

اسی وجہ سے سید محمد رومی، سید محمد سیستانی، قاضی سید علی شیرازی، قاضی جمال، سید احمد رومی وغیرہ اپنے اپنے وطن کو چھوڑ کر سلطان کے عہد میں کشمیر آگئے تھے۔ قاضی جمال سندھ سے آئے تھے اور سلطان نے انھیں قاضی کا عہدہ دیا تھا۔ مولانا کبیر سلطان کے معلّم تھے جو بعد میں زیادہ علم کی جستجو میں ہرات چلے گئے تھے مگر سلطان نے ان کو بلوا کر شیخ الاسلام بنایا۔ مُلّا احمد درباری شاعر تھے اور سلطان اُن کی بے حد عزّت کرتا تھا۔ دوسرے درباری شاعر مُلّا نادری اور مُلّا فتحی تھے۔ یہ دونوں صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ تاریخ نویس یعنی مورّخ بھی تھے۔ ان دونوں نے کشمیر کی تاریخ لکھی ہے۔

ان کے علاوہ سلطان کے دربار میں سنسکرت کے عالم یون راج اور شری ور

تھے ۔ ان لوگوں نے سنسکرت میں تاریخیں لکھیں ۔ سلطان سنسکرت کے ان عالموں کی بہت عزت کرتا اور اُن سے بے حد محبت کرتا تھا ۔ اُسے ان پر بہت بھروسہ تھا سلطان کے ایک اور درباری جن کا نام بودھ بھٹ تھا، نہ صرف ویدوں کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ فارسی زبان پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے ۔ فردوسی کا 'شاہ نامہ' انھیں زبانی یاد تھا ۔ کشمیر میں عام لوگوں میں روایت ہے کہ جب سلطان زین العابدین کسی ذہنی پریشانی؛ الجھن یا غم میں مبتلا ہوتا تھا تو وہ اکثر ان سے وید سُنا کرتا تھا اور بودھ بھٹ کو وید سُنانے میں بڑا کمال حاصل تھا ۔ وہ موسیقی کے بھی ماہر تھے اور انھوں نے ایک کتاب فن موسیقی پر بھی لکھی ہے ۔کشمیری نظم میں ایک ڈرامہ "جین پرکاش" (جس کے معنی اُردو میں "زین کا نور" ہوسکتے ہیں) کے نام سے تصنیف کیا جس میں اپنے سلطان اور مہربان آقا اور دوست، زین العابدین کے دور حکومت کی تفصیلات لکھی ہیں ۔

ناتھ سوم پنڈت کے نام سے ایک اور کشمیری شاعر سلطان کے دربار میں تھا ۔ اس نے کشمیری اشعار میں "جین چرت" لکھی (جسے اردو میں "زین کا کردار"کہہ سکتے ہیں) جس میں زین العابدین کی ذاتی، نجی زندگی، اس کے اُصولوں اور اس کی کارگزاریوں

کا ذکر ہے۔ فردوسی کے 'شاہ نامہ' سے متاثر ہوکر بھٹ اوتار نے "جین ولاس" (اقوالِ زین) لکھی جس میں سلطان کے مقولے بیان کیے گئے ہیں۔

ایک اور بہت بڑا عالم بھی سلطان کے دربار میں تھا جو طب کا بھی بہت بڑا ماہر تھا، اس نے ایک کتاب فن طبابت پر لکھی اور ایک رسالہ بنام "تشریح با تصویر" میں انسان کے جسم کے ہر عضو کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ان کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

زین العابدین کا علم کا شوق ہی اس بات کی بنیاد تھا کہ اس کے عہد میں ایک دارالترجمہ قایم کیا گیا، جس میں فارسی کی کتابیں سنسکرت اور سنسکرت کی کتابیں فارسی میں ترجمہ کی جاتی تھیں، کشمیری کی بھی کچھ کتابیں فارسی میں ترجمہ کی گئیں، اس طرح ان زبانوں کا آپس میں لین دین ہوا۔ شری ور نے جامی کی "یوسف زلیخا" کا سنسکرت میں ترجمہ ۱۵۰۵ء میں مکمل کیا اور سنسکرت میں اسے "کتھا کوتک" کا نام دیا گیا۔ روایت ہے کہ ملّا کبیر سنسکرت اور فارسی دونوں کے عالم تھے، سلطان کی خواہش پر انھوں نے "مہا بھارت" کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ظاہر ہے کہ جس سلطان کو علم سے اتنی دل چسپی ہوگی، اُسے تعلیم سے بھی دل چسپی رہی ہوگی۔ اس نے نوشہرہ میں اپنے محل خاص

کے پاس ہی ایک مدرسہ قایم کیا تھا جس کے اخراجات اور طلبا کے وظیفوں کے لیے اس نے کچھ جاگیریں وقف کیں ۔ ملّا کبیر اس مدرسہ کے منتظم تھے اور سلطان خود بھی اکثر اُن کے لیکچرز سُننے کے لیے وہاں جایا کرتا تھا ، مدرسہ کے ساتھ جو جاگیریں تھیں اُن کا انتظام وغیرہ بھی مُلّا کبیر کے ہی سپُرد تھا ۔ یہ مدرسہ سترھویں صدی تک چلتا رہا ۔

شیخ اسمٰعیل کبروی کی خانقاہ میں بھی پڑھنے لکھنے کا کام ہوتا تھا اور یہی شیخ اسمٰعیل حسن شاہ کے دورِ حکومت میں شیخ الاسلام بھی ہوئے ۔ ان کے علم کا دور دور چرچا تھا ۔ ان کے علم سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ہرات اور ماورالنہر تک سے لوگ آتے تھے ۔ سیالکوٹ میں ایک مدرسۃ العلوم تھا جس کو سلطان نے چھ لاکھ روپیہ کا عطیہ اور ملکہ تاج خاتون نے اپنا ایک بیش قیمت ہار دیا تھا ۔ ان مدرسوں کے علاوہ بہت سے ایسے ادارے تھے جو دارالاقامہ یا بورڈنگ ہاؤس کہلاتے تھے ۔ ان میں غریب طلباء کے رہنے کا انتظام تھا جو تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ، سرکاری خرچ پر کھانا پینا اور اپنے دوسرے اخراجات بھی پاتے تھے ۔ ان بورڈنگ ہاؤسوں میں شہروں سے باہر کے طلبا آکر ٹھہرا کرتے تھے ۔

سلطان کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا اور وہ کتابوں کی خریداری پر بھاری رقم خرچ کیا کرتا تھا۔ زین العابدین سے پہلے کشمیر میں عربی اور فارسی کے قلمی نسخے بہت کم تھے۔ اُس نے قلمی نسخوں کی خریداری کے لیے اپنے نمائندوں کو ہندوستان، عراق اور ترکستان وغیرہ بھیجا اور ان لوگوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ اگر نسخے خریدے نہ جاسکیں تو وہیں رہ کر ان کی نقلیں کرکے لائی جائیں۔ سنسکرت کے کافی قلمی نسخے خریدے گئے اور سکندر کے عہد میں جو نسخے ہندوستان بھیج دیے گئے وہ سلطان زین العابدین کی ہی کوششوں سے واپس لائے گئے تھے۔ اس طرح سلطان نے مسلسل کوشش کرکے ایک بڑا کتب خانہ بنالیا جو بہت عرصے تک قایم رہا لیکن بعد کی خانہ جنگیوں اور میر شاہ کے زمانے میں بیرونی حملوں سے برباد ہوگیا۔

زین العابدین صرف عالموں کی سرپرستی ہی نہیں کرتا تھا بلکہ خود بھی عالم اور شاعر تھا، اُسے صرف علم پھیلانے سے ہی نہیں، علم حاصل کرنے کا بھی بے حد شوق تھا۔ اپنی مادری زبان، کشمیری تو خیر وہ جانتا ہی تھا، مگر اس کے علاوہ سنسکرت اور فارسی میں بھی اچھی لیاقت رکھتا تھا۔ اپنے ذاتی شوق سے ہی اُس نے تبتی زبان سیکھی، اور اس پر اچھی خاصی دسترس حاصل کی۔ پنڈتوں سے وہ مختلف شاستر

پڑھوا کر سُنتا تھا۔ شری ور اس کو اکثر والمیکی کا " برہما درشن " اور دیگر سنسکرت کی چیزیں سُناتا تھا۔ فارسی کے اشعار سننے کا بھی اسے بہت شوق تھا۔

سلطان نے فارسی میں دو کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اِن میں سے ایک کتاب، آتش بازی کی صنعت سے متعلق تھی اور اس انداز میں لکھی گئی تھی جیسے کہ دو آدمی آپس میں بات چیت کر رہے ہوں۔ سلطان کے بعد کشمیر کے بہت سے ادیبوں نے اس طرز اور انداز کو بہت سی کتابوں کے لکھنے کے لیے استعمال کیا۔

دوسری کتاب اُس نے اپنی زندگی کے آخری دور میں لکھی تھی جبکہ وہ اپنے تینوں بیٹوں پر اعتبار کرکے، باری باری، اُن سے پریشان اور مایوس ہوچکا تھا اور کئی ایسے امیر اور وزیر، جن کی اس نے بڑی سرپرستی کی تھی، اس سے بے وفائی اور غداری کرچکے تھے۔ یہ کتاب ان ہی باتوں سے متاثر ہوکر لکھی گئی تھی اور اس کا موضوع دُنیا کی بے ثباتی اور اپنوں کی بے مروّتی اور دغا بازی تھا۔

سلطان فارسی میں شعر کہتا تھا، روایت ہے کہ کشمیری زبان میں بھی اُس

نے شعر کہے اور کشمیر میں عام لوگ اب تک بہت سے ایسے شعر پڑھتے
ہیں جنھیں وہ "بڈشاہ" یعنی سلطان زین العابدین کے شعر کہتے ہیں لیکن ان
روایتوں کی تصدیق چونکہ کسی تاریخ سے نہیں کی جا سکتی اس لیے یہ نہیں کہا
جا سکتا کہ ان کا کتنا حصّہ صحیح ہے۔ البتہ یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ
کشمیر کے عوام آج بھی زین العابدین کو صرف بادشاہ نہیں بلکہ ایک شاعر
بھی تصوّر کرتے ہیں۔

سلطان اپنی طبیعت کے مطابق، شعر سے متاثر بھی بہت ہوتا تھا، چنانچہ
مشہور ہے کہ مُلّا احمد جو درباری شاعر تھے اُن کے متعلق دربار کے
کچھ حاسدوں اور شرپسندوں نے سلطان سے یہاں تک لگائی بجھائی کی
کہ سلطان اُن سے ناراض اور رنجیدہ ہوگیا اور اُن کو ملک بدر کیے جانے
کا حکم دے دیا لیکن پکھلی تک پہونچ کر ملّا احمد نے چار شعر کہہ کر
سلطان کو بھیجے، سلطان اُن شعروں سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے فوراً
مُلّا احمد کو واپس بُلائے جانے کا حکم دیا اور واپسی پر انھیں بہت کچھ دیا۔

فارسی میں سلطان کا تخلص "قطب" تھا اور وہ اکثر مُلّا احمد سے، فی البدیہہ شعر کہنے اور شعر میں حاضر جوابی کا دوستانہ مقابلہ بڑے شوق سے کیا کرتا تھا۔

کشمیری فرماں رواؤں میں سے کسی نے بھی صنعت و حرفت اور دستکاری کی ترقی اور اُس میں نئی باتیں اور انوکھی خوبیاں اور خصوصیات پیدا کرنے میں اتنی کوشش نہیں کی جتنی کہ سلطان زین العابدین نے کی۔ یہاں تک کہ اکثر مورخین کی تو یہ رائے ہے کہ آج کل جو بھی صنعت و حرفت کشمیر میں پائی جاتی ہے اور جس حسین دستکاری کے لیے کشمیر مشہور ہے، وہ سب زین العابدین کی ہی دین ہے اور اُسی کے تخیئل پرست ذہن کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

ویسے تو ہندوؤں کے دور میں وادیِ کشمیر کی صنعت و حرفت نہایت مشہور و معروف تھی لیکن مسلم سلطنت کے قیام سے پہلے، تقریباً دو سو سال کے عرصے میں اِس قدر سیاسی ہلچل اور اتھل پتھل ہوئی، اور مسلسل ہوتی رہی کہ وہاں کی صنعتوں نے بالکل ہی دم توڑ دیا تھا۔ پھر زولجو کے حملے کی

وجہ سے بہت سے صنعت کار اور کاریگر بلکہ اُن کے خاندان یا تو مر کھپ گئے یا پھر مُلک چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ زین العابدین نے پُرانی اور تقریباً مردہ صنعتوں کو نہ صرف پھر سے زندہ کیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ نئی صنعتوں کو بھی متعارف کرایا۔ ان سب کاموں کے لیے اس نے بہت کثیر رقم بے دریغ خرچ کی ، صنعت کاروں کی حد درجہ سر پرستی کی ، باہر سے صنعت کاروں کو بلوایا اور اپنے کاری گروں کو بھی ، شاہی خرچے پر باہر بھیج بھیج کر اُن کو نئی نئی صنعتیں سکھلائیں۔

مثلاً کشمیر میں کاغذ بنانے کا فن نا معلوم تھا اور جلد سازی کا فن بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ سلطان نے حکومت کے خرچ سے دو آدمیوں کو یہ فن سیکھنے کے لیے سمرقند بھیجا۔ جس وقت یہ دونوں آدمی سمرقند گئے ہوئے تھے تو یہاں سلطان کی طرف سے اُن کے خاندانوں کا کل خرچ پورا کیا جاتا تھا۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو انھوں نے کئی دوسرے آدمیوں کو یہ کام سکھایا اور اُن کے باقاعدہ کام کرنے اور کام سکھانے کے لیے سلطان نے پرگنہ بھاگ

میں کاغذ بنانے کا ایک کارخانہ ایسا بنوایا جس میں تمام سامان ان سمرقند کے سیکھے ہوئے کاریگروں کی ہدایت کے مطابق، سرکاری انتظام اور سرکاری خرچ کے ساتھ مہیا کیا گیا۔ اس کارخانے اور اِس کے مستقل اخراجات کے لیے ایک گاؤں کی آمدنی وقف کردی گئی۔ اسی طرح جلد سازوں کو بھی ایک گاؤں ملا۔ مؤرخ حیدر ملک کی تحریر کے مطابق سترھویں صدی کے پہلے نصف حصے تک یہ گاؤں اِن کاریگروں کی اولادوں اور خاندان والوں کے قبضے میں تھے۔

اگر سلطان کو خبر ملتی تھی کہ کہیں سے کوئی ایسا شخص آیا ہے جو کسی بھی قسم کی صنعت جانتا ہے تو اُس شخص کو شاہی مہمان بنا لیا جاتا تھا۔ خراسان، عراق، ترکستان وغیرہ سے اکثر لوگ کشمیر کی سیر و سیاحت کو آیا کرتے تھے، سلطان کے آدمی ہمیشہ اس تلاش میں رہتے تھے کہ ان میں کون صنعت کار یا کاریگر ہے اور پھر وہ سلطان کو اس کی اطلاع دیتے اور سلطان اکثر خود ان لوگوں کو ترغیب دیتا کہ وہ اپنے فن کشمیریوں کو بھی سکھائیں۔ اِس تمام سلسلے کے اخراجات شاہی خزانے سے پورے کیے جاتے

تھے ۔ کبھی کبھی تو سلطان اِتنا اصرار کرتا کہ جب تک وہ اپنا فن کشمیریوں کو نہ سکھا دیتے، سلطان اُن کو کشمیر سے جانے کی اجازت ہی نہ دیتا ۔ غالباً اِسی طرح سلطان، وادی میں پارچہ بافوں کے کرگھے اور ریشمی کپڑوں کی اتنی عمدہ بُنائی کو رائج کرسکا کہ کشمیر ان کے لیے مشہور ہوا اور ساری دُنیا میں کشمیری ریشم کی دھاک بیٹھ گئی ۔ بڈشاہ کے عہد سے ہی کشمیری شال تمام دنیا میں مشہور ہے ۔

شری ور کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے کا بے حد شوق تھا ۔ وہ آتش بازی بنانا جانتا تھا ، جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اُس نے ایک کتاب بھی آتش بازی بنانے کے فن پر تصنیف کی تھی ۔ اور اُس نے ایک اور شخص کو بھی یہ فن سکھایا تھا جس کا نام حبیب تھا ۔ اس سے پہلے آتش بازی کے لیے بارود باہر سے لائی جاتی تھی اور وہ بڑی مشکل سے ملتی تھی ، لیکن سلطان نے لوگوں کو بارود بنانا سکھایا جس سے یہ ایک عام سی چیز ہوگئی ۔

بارود کی ایجاد کے بعد کاریگروں نے اس سے جنگی ہتھیار بھی بنائے مگر یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ کہ جن ہتھیاروں میں بارود استعمال کی گئی، وہ ہتھیار کیسے تھے۔

سلطان زین العابدین کے باپ سکندر نے موسیقی کو ممنوع قرار دیا تھا، لیکن زین العابدین نے موسیقی کی بڑی سرپرستی کی۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ وہ اکثر شام کو شاعروں، موسیقاروں اور رقاصوں کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتا تھا اور اُس نے دوسرے فنکاروں کی طرح موسیقاروں کو اور مغنیّوں کو بھی انعامات دیے اور اُن کی مالی مشکلات دُور کیں تاکہ وہ اطمینان سے سنگیت کی طرف دھیان دے سکیں۔ اُس کا دورِ حکومت موسیقی کی سرپرستی کے لیے بھی مشہور ہوا۔ بودھ بھٹ اِسی دَور کا ایک مشہور ماہر موسیقی تھا جس نے اس فن پر ایک کتاب بھی لکھی، خراسان سے مُلّا زادہ بھی آیا جو اس فن کا ماہر تھا اور کچھوے کی کھال کا بنا ہوا ستار بڑے کمال کے ساتھ بجاتا تھا۔ خود شری ور بھی ستار بجانا جانتا تھا، اُس کی آواز

نہایت سُریلی اور مؤثر تھی اور وہ دوسروں کے ساتھ مل کر فارسی اور کشمیری کے گیت بڑے دل کش انداز میں گاتا تھا ۔ جمیل مصوّر ہی نہیں ، شاعر بھی تھا اور موسیقی کا ماہر بھی اور فارسی کے شعر خوب گاتا تھا ۔ موسیقی سے متعلق آگے بھی ایک نوٹ میں کچھ تفصیلات دی گئی ہیں جن کا تعلق سلطان زین العابدین کے عہد سے ہے ۔

سلطان کو نئے شہر بسانے اور اُن میں عمارتیں بنانے کا بھی خاص شوق تھا ۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ سیاسی حالات اور بیرونی حملوں وغیرہ کے اثر سے اب اُس کی بنائی ہوئی عمارتوں میں سے دو تین کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہ گئی ہیں ۔ وہ بھی گری پڑی حالت میں ہیں ۔ اِن میں زین العابدین کی ماں کا مقبرہ ، مدنی کی مسجد وغیرہ ہیں ۔ سلطان نے نوشہر بسایا تھا (جو اب سری نگر کا ایک حِصّہ ہے) اور اس کو اپنی راجدھانی بنایا جہاں اپنے درباریوں اور عالموں کے لیے بھی اس نے شاندار مکانات تعمیر کروائے ۔ ان عمارتوں میں سب سے شاندار ایک لکڑی کا محل تھا جس میں

مرزا حیدر کے بیان کے مطابق بارہ منزلیں تھیں ، ہر منزل پر پچاس کمرے ، ہال اور برآمدے یا غلام گردشیں تھیں ، سب سے اوپر وسیع ایوان تھے جن میں چاروں طرف شیشے جڑے گئے تھے اور سب کے اوپر طلائی گنبد تھا۔

ایک اور بہت بڑا کارنامہ جو سلطان کی تعمیری اُپج کو ظاہر کرتا ہے وہ ڈل جھیل کے کنارے کنارے ایک لمبا راستہ بنوانا ہے جو بھاگ پرگنہ تک چلا گیا ہے ، اِسی طرح کا ایک راستہ اُس نے اندر کوٹ سے سوپور تک بنوایا اور ان راستوں کی دیکھ بھال ، مرمّت وغیرہ کے اخراجات کے لیے ایک گاؤں کی آمدنی وقف کر دی گئی تھی ۔

قدیم زمانے میں وُلر جھیل کے مشرقی کونے میں ایک جزیرہ تھا جو بعد میں ڈوب گیا تھا ۔ سلطان نے اِس جزیرے کو پھر سے اونچا کروایا اور اس کا پلان یہ تھا کہ طوفانوں کے وقت اس جزیرے کو کشتیوں کے واسطے ایک پناہ گاہ کی طرح بنوا دیا جائے ۔ چنانچہ جھیل میں پتھر ڈال کر بڑی مشکلوں سے سطح اونچی کی گئی اور اس جزیرے کا نام "زین لانگ" رکھا گیا ۔ پھر

یہاں ایک محل ، ایک مسجد اور باغ بھی بنوائے گئے ۔ محل میں پانچ منزلیں تھیں ـــــــ پہلی منزل پتھّر کی ، دوسری اینٹ کی اور تیسری اور چوتھی لکڑی کی تھیں ۔ مسجد پتھّر کی تھی ۔ جن مزدوروں اور معماروں نے ان عمارتوں کے بنانے میں حِصّہ لیا تھا انھیں پرگنہ کھویا ہوم کی آمدنی سے ہمیشہ کچھ رقم ملتی رہتی تھی ۔

زین العابدین کے عہد کے آخر میں سوپور کے قصبے میں بہت بڑی آگ لگ گئی تھی ۔ سلطان نے وہاں بارہ مولا کا محل گراکر اس کے ہی سامان سے ایک نیا محل تیار کروایا ۔ چونکہ وہ خود اکثر ملک بھر میں سفر کرتا رہتا تھا اس لیے اُس نے اکثر قصبات میں اور دیہات میں بھی اپنے ٹھہرنے کے لیے آرام گاہیں بنوائیں اور اس کے علاوہ بڑی سڑکوں کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر عام مسافروں کے لیے سرائے اور پڑاؤ بنوائے جہاں وہ رات کو ٹھہر سکتے تھے ، تازہ دم گھوڑے حاصل کر سکتے تھے ۔ غریب مسافروں کو اِن ٹھکانوں پر کھانا بھی مفت مل جاتا تھا ۔

مگر سلطان زین العابدین کی شخصیت اور اس کے دور کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت جو اسے کشمیر کے مسلمان سلاطین میں نمایاں کرتی ہے وہ اُس کا رعیت کے ساتھ برتاؤ تھا اس برتاؤ میں مذہب کو قطعی دخل نہیں تھا ۔ اور وہ اس معاملہ میں اِتنا سمجھدار ، ایسا انصاف پسند اور اِس قدر سچّا جمہوریت پرست بادشاہ تھا کہ یہ گمان گزرتا ہے کہ شاید اکبر اعظم نے اس کی ہی شخصیت کو اپنے لیے ایک مثال بنایا تھا۔

اُس کے عہد میں ، ہندوؤں کو اپنے مذہب کے تمام فرائض ادا کرنے ، پوجا پاٹ کرنے اور اپنے عقائد پر قائم رہنے کی مکمل آزادی حاصل تھی ۔ اُس نے اُن ہندوؤں کو واپس کشمیر بلوایا جو مذہبی تفریق سے پریشان ہوکر جموں اور کشتواڑ بھاگ گئے تھے اور جن برہمنوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا تھا انھیں پھر سے اپنا مذہب اختیار کرنے کی اجازت اور آزادی دی ۔ یہاں تک کہ اس نے ہندوؤں کے جذبات کا خیال کرکے گاؤ کشی ممنوع کردی ۔ اپنے بزرگوں کے برباد کیے ہوئے مندر اس نے نہ

صرف پھر سے مرمت کرائے بلکہ بہت سے نئے مندر شاہی اخراجات سے بنوائے ۔ اس نے برہمنوں کو ایسی زمینیں دیں جن پر لگان معاف تھا اور جہاں اس نے مسجدوں کے اوقاف قائم کیے وہاں مندروں کے لیے بھی زمینیں وقف کیں ۔ ہندو راجاؤں کے زمانے میں مندروں کو جو بھی سرکاری مدد ملا کرتی تھی ، وہ سب اس نے بحال کی ۔

وادیِ کشمیر میں اور اُس کے آس پاس کی بلندیوں پر ہندوؤں کے مختلف مقدس مقامات ہیں ، جن تک پہنچنے کے لیے یاتریوں کو سری نگر آنا پڑتا ہے ۔ چنانچہ ملک کے کونے کونے سے لوگ سری نگر آتے تھے ، ہندوستان سے بھی لوگ جاتے تھے اور پھر سری نگر سے وہ ان یاتراؤں پر روانہ ہوتے تھے ، سری نگر میں ہندو راجاؤں کی بنائی ہوئی ایک بہت بڑی عمارت میں مقدس مقامات پر جانے والے یاتری ٹھہرا کرتے تھے اور باہر سے آنے والے یاتریوں کو یہاں رہائش ہی نہیں بلکہ کھانا بھی مفت ملتا تھا ۔ زین العابدین نے اس سرائے یا ٹھکانے

کے وقف میں اضافہ کیا۔ اور ساتھ ہی ایک نئی عمارت اس مقصد سے بنوائی کہ یاتری اور مسافر اپنی منزل کے لیے روانہ ہونے سے بیشتر اُس میں کچھ دیر قیام کرسکیں۔ یہاں بھی رہنے، آرام کرنے اور کھانے پینے کی تمام سہولتیں موجود تھیں جن کا خرچ حکومت برداشت کرتی تھی۔

سکندر نے غیر مسلموں پر جزیہ لگایا تھا جو چاندی میں ادا کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے فی کس دو[1] پل چاندی وصول کی جاتی تھی۔ زین العابدین نے شری بھٹ کے مشورہ سے اسے گھٹا کر فی کس دو رتی چاندی کردیا اور یہ بھی عملی طور پر نہ ہونے کے برابر تھا کیونکہ زین العابدین کے عہد میں جزیہ کبھی وصول ہی نہیں کیا گیا۔

اپنی ہندو رعایا کی تقریبوں اور جشنوں میں شامل ہونے کا سلطان کو بہت شوق تھا۔ ان تہواروں میں نہ صرف یہ کہ وہ خود شریک ہوتا

---

[1] ایک پل چاندی پونے چار تولے چاندی کے برابر ہوتی ہے۔

بلکہ اس کے مسلمان امیر وزیر بھی اس کے ساتھ شریک ہوتے تھے ۔ چنانچہ جین مٹھ کے بھکشو جب برتنوں کی پوجا کا جشن مناتے تو سلطان بھی اپنی طرف سے بھکشوؤں کو کھانا کھلاتا ۔ ہر سال ناگ یاترا کے دن اور گن چکر کے تہوار کے زمانے میں سات دن تک یاتریوں اور پُجاریوں کو چاول، سبزیاں، گوشت پھل وغیرہ شاہی خزانے کے خرچ سے بھجوائی جاتیں اور پورن ماشی یعنی پورے چاند کی تاریخ کو روپے پیسے اور جڑاول یعنی بچھانے اوڑھنے کا سامان جیسے لحاف وغیرہ دے اُن کو رخصت کیا جاتا تھا ۔

دریائے جہلم کی پیدائش کا دن کشمیری ہندوؤں میں ایک بڑا تہوار مانا جاتا ہے ، اس دن دریا کے کنارے بلکہ دونوں کناروں پر برابر سے چراغ جلائے جاتے ہیں ، سلطان بھی اُس دن دریا کی سیر کو ، شاہی کشتی پر بیٹھ کر نکلتا اور تمام رات دریا کی سیر کرتا اور بھجن اور نغمے سُنتا ۔

چیت کے جشن میں پھولوں کی بہار ہوتی ہے اور یہ جشن موسم بہار میں منایا جاتا تھا، بادشاہ صرف سری نگر ہی میں نہیں، اور بھی کئی شہروں میں اس جشن بہاراں کا لطف اُٹھانے جاتا تھا۔

ان سب باتوں سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سلطان کے عہد میں غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدے اور ذمہ داری کے کام سونپے گئے۔ ایسے بہت سے کام غیر مسلموں کے سپرد ہوئے جن پر حکومت کی مضبوطی کا دارومدار تھا۔ تہواروں اور جشنوں میں شریک ہونے سے تو سلطان کے دل کی بڑائی اور کُشادگی ظاہر ہوتی ہے لیکن عہدوں پر غیر مسلموں کو مقرر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر جمہوریت پسند اور کام کے سلسلے میں مذہبی تعصبات سے بالاتر تھا اور اسے اپنی غیر مسلم رعایا پر مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا —— اعلیٰ عہدوں پر لوگوں کی تقرری کرتے وقت اس کے سامنے ان کا مذہب نہیں بلکہ ان کی لیاقت قابلیت اور ان کی کام کرنے کی صلاحیت دیکھی جاتی تھی۔

سلطان کا ایک بہت بڑا معتمد شیو بھٹ تھا جو برہمن تھا اور سلطان

کو اس پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ سلطنت سے متعلق کوئی اہم قدم شیو بھٹ سے صلاح کیے بغیر نہیں اُٹھاتا تھا۔ اسی طرح ایک مشیر تلک اچاریہ بھی تھا جو بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ اس کی سوجھ بوجھ، سمجھداری اور ذہانت کی بڑی شہرت تھی۔ روپ بھٹ نامی ایک جیوتشی بھی سلطان کو بہت عزیز تھا۔

4

خارجی تعلقات

سلطان زین العابدین کی انصاف پسندی، فن دوستی اور کلچر کی سرپرستی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی اسی لیے دوسرے ممالک سے اس کے سفارتی اور اُن ملکوں کے حکمرانوں سے دوستانہ تعلقات بڑھے۔

چنانچہ خراسان اور ماوراُلنہر کے تیموری سلطان، مرزا ابو سعید نے سلطان کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا (۱۴۵۲ء) جس کے ساتھ تحفے کے طور پر عربی گھوڑے اور بلخ کے اونٹ بھیجے گئے۔ اِدھر سے زین العابدین نے زعفران، کشمیر کا بنا ہوا کاغذ، مُشک، شال، بلوّر کے پیالوں وغیرہ کے قیمتی اور خوب صورت تحفے اور سوغاتیں بھیجیں۔

"نوادرالاخبار" کے مطابق تیمور کا ایک لڑکا جس کا نام شاخ رُخ تھا اور جو ادب کا اور سائنس کا بڑا سرپرست تھا، اُس نے زین العابدین نے کو ہاتھی اور

قیمتی جواہرات تحفے میں بھیجے سلطان زین العابدین نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اُسے اپنی طرف سے بہت سے بیش قیمت تحائف بھی بھیجے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر اس کو قیمتی جواہرات کے بجائے کچھ عالم، کتابیں تحفے میں بھیجی جاتیں تو اس کو زیادہ خوشی ہوتی اور وہ بہت مشکور ہوتا۔ اس پر شاہ رُخ نے اس کو چھ سو علما اور استاد بھیجے، جن کے ساتھ بہت سے قلمی نسخے اور کتابیں بھی تھیں۔

اسی طرح اور دوسرے ملکوں سے بھی زین العابدین کے تعلقات دوستانہ تھے جنھیں برابر بڑھاتے رہنے کی کوشش جاری رہتی تھی۔ شریف مکّہ، گیلان اور مصر کے فرماں رواؤں سے برابر تحفوں کا لین دین اور سفیروں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

راجہ ڈونگر سنگھ اس وقت گوالیار کے راجہ تھے، انھوں نے جب سُنا کہ سلطان کو موسیقی سے دلچسپی ہے تو انھوں نے موسیقی کے موضوع پر بہت سی بیش قیمت کتابیں سلطان کو بھیجیں۔ کیونکہ گوالیار اس وقت موسیقی کا بہت بڑا مرکز تھا۔ ڈونگر سنگھ کے مرنے کے بعد، ان کے بیٹے

کیرت سنگھ نے بھی ، سلطان سے دوستانہ تعلقات قایم رکھے ۔

سلطان نے سندھ ، بنگال ، تبت وغیرہ سے بھی سفارتی تعلقات قایم کیے تھے ، گجرات کے سلطان محمود اور مالوہ کے سلطان محمود اوّل اور بہلول لودھی سے بھی سفارتی تعلقات تھے اور اِن تمام ریاستوں سے برابر سفیروں کی آمد و رفت اور تحفوں کی لین دین ہوتی تھی ۔

5

زین العابدین کے متعلق کچھ دلچسپ حقائق

سلطان زین العابدین سے پہلے چاندی کے سکے تو تھے مگر جست اور پیتل کے سکے اُس نے ہی ڈھلوانے شروع کیے تھے جن پر زین العابدین کے نام کے ساتھ "نائب امیرالمومنین" لکھا ہے، پچھلے رُخ پر صرف 'ضربِ کشمیر' اور عربی حروف میں سنہ درج ہے۔ اگرچہ کچھ سکوں پر بیچ میں پتی اور جھالر بھی بنی ہے جیسا کہ عام طور پر کشمیر کے سلطانوں کے سکوں پر ہوتا ہے لیکن تمام سلطانوں میں اُس نے ہی نئے طرز کے سکے ڈھلوائے اور لفظ 'ضرب' لکھا جس کو 'کشمیر' بیچ میں سے کاٹتا ہے، ان حرفوں کے گرد ایک چھوٹی سی ٹکیہ بنی ہے جس کے باہری کناروں پر جھالر سجی ہے۔ کچھ سکوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ سیدھی طرف نام اور لقب دوہرے چکر میں ہیں اور اُن کے گرد لفظوں کا ایک اور دائرہ ہے۔ زین العابدین کے چاندی

کے سکوں پر ۸۴۲ھ لکھا ہے (ہجری سال) لیکن تانبے کے سکوں پر ۸۴۱ھ اور ۸۴۵ھ کندہ کیا ہوا ہے۔ سونے کے سکوں پر "نائب امیر المومنین، قطب الدین، ابوالمجاہد العادل سلطان، لکھا ہے۔

زین العابدین سے پہلے ہندو رعیت سے جزیہ لیا جاتا تھا جو کہ دو پل چاندی ہوتا تھا۔ (ایک پَل پونے چار تولے کے برابر ہوتا تھا) لیکن سلطان نے اس کو گھٹا کر دو رتّی کر دیا اور اِتنا بھی برائے نام تھا کیونکہ یہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ دو رتّی بھی سلطان کو اُس زمانے کے مذہبی پیشواؤں کے خیال سے رکھنا پڑا تھا ورنہ وہ سب اس کی مخالفت کرنے لگتے اور فساد کھڑا ہوتا۔

پیمائش جریب سے ہوتی تھی جو گز سے کچھ زیادہ تھی لیکن سلطان کے عہد میں جریب کی لمبائی کسی قدر بڑھادی گئی تھی۔ البتہ اِس کی تفصیل نہیں معلوم ہے کہ بڑھی ہوئی جریب کی ٹھیک لمبائی کتنی تھی۔

عود ایک خوشبو کو کہتے ہیں جو عبادت کے وقت جَلائی جاتی ہے، اس سے عورتیں اپنے کپڑے بھی بساتی ہیں کشمیر میں اِس کا استعمال زین العابدین کے

وقت میں شروع ہوا۔ اور ساتھ ہی عود ایک موسیقی کے ساز کو بھی کہتے ہیں جو ایران سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح رباب جو خراسان کا ساز تھا اور دراصل عربوں کا بھی قومی ساز تھا وہ کشمیر میں زین العابدین کے ہی عہد میں آیا تھا۔ دراصل زین العابدین کے عہد میں ہی ایرانی اور تورانی ماہرین نے فن موسیقی کی بنیاد وادی میں رکھی۔

کشمیر کی کلاسیکی موسیقی "صوفیانہ کلام" کے نام سے مشہور ہے اور فارسی موسیقی سے لی گئی ہے، کچھ راگ بالکل ہندوستانی ہیں۔ اُن کے نام بھی ہندوستانی ہیں مثلاً للتِ کلیان، بھیرویں وغیرہ۔ کچھ کے نام ایرانی ہیں جیسے دوگاہ، پنجگاہ، راست فارسی، سہ گاہ وغیرہ۔ لیکن ہندوستانی موسیقی کے بالکل متضاد، اِس صوفیانہ کلام کو کئی لوگ مل کر گاتے ہیں بالکل اس طرح جیسے کورس میں گانا گایا جاتا ہے۔

سلطان کو موسیقی کا خاص شوق تھا، اکثر موسیقی کی محفلیں سجائی جاتی تھیں، اس کا لڑکا حیدر ساز بجانے میں ماہر اور پوتا حسن شاہ بھی موسیقی کا ماہر اور دلدادہ تھا۔

علم و فن کے اس سرپرست سلطان کے عہد میں ایران اور ترکستان سے بہت سے خطاط وادی میں آئے اور سلطان نے اُن کو جاگیریں دیں، اُن کے لیے کام کرنے کی ہر ممکن سہولتیں بہم پہونچائیں۔ اُن سے تفسیر قرآن کی کئی کئی کاپیاں تیار کروائی گئیں۔ اس عہد کے کتبے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں خطِ نسخ لکھنے کا رواج تھا۔ بعد میں یہ فن کشمیر کے کافی لوگوں نے سیکھا کیونکہ بعد میں ہمیں مغلوں کے دربار میں کئی کشمیری خطاط نظر آتے ہیں جو مستقل طور پر کتابوں کی نقلیں کرتے رہتے تھے۔

کشمیری مصوری کا ذکر کرنا اِس لیے ممکن نہیں ہے کہ سلطان بڈشاہ کے عہد کی مصوری کو زمانے نے تباہ و برباد کر دیا۔ ورنہ ہوسکتا تھا کہ ہمیں اُس زمانہ کی تصویروں میں خود سلطان کی بھی کوئی تصویر ملتی جس میں ہم پورے طور پر سلطان کی شخصیت کا عکس دیکھ سکتے۔ البتہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سلطان کے دربار میں مشہور مصور مُلّا جمیل موجود تھا اور بعد میں اکبر بادشاہ کے دربار میں بھی پانچ کشمیری مصور موجود تھے۔

جہاں تک کشمیر کی چھوٹی صنعتوں اور دستکاریوں کا سوال ہے روائت اور

تاریخ دونوں ہی گواہی دیتے ہیں کہ اِن کی ابتدا سلطان زین العابدین کے ذہن کی اُپج سے ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے بہت سی مردہ صنعتوں کو پھر زندہ کیا لیکن ایسا کرنا بھی اس عہد میں بڑا مشکل تھا۔

دھات کے برتنوں پر نقاشی کے ساتھ ساتھ لکڑی پر جال کاری اور نقاشی اسی قسم کی دستکاریوں میں خاص ہیں۔ دھات کے برتنوں کی نقاشی میں ایرانی، چینی اور ہندو تہذیب کا بڑا خوب صورت میل دکھائی دیتا ہے۔ کشمیری نقاشی میں مخصوص بات یہ نظر آتی ہے کہ غیر مُلکی اثرات میں اپنا رنگ ضرور ملاتے تھے۔ یہی چیز ہے جو اُن کو برتنوں پر کی میناکاری میں ہندوستان اور ایران سے الگ کرتی ہے اور اس طرح یہ نقاشی اُن کی اپنی کہلا سکتی ہے۔

کشمیر میں ہندو راجاؤں کے زمانے سے، چینیوں سے ریشم کے کیڑے پالنا سیکھا گیا تھا لیکن زین العابدین نے بُنائی کے بہتر طریقے اور ایران سے سجاوٹ اور نمونے لاکر ریشمی کپڑے کی صنعت کو بہت ترقی دی۔ اسی وجہ

سے کشمیر کا ریشم آج بھی بہت مشہور ہے۔ ریشم کے کیڑے پالنے اور اُن کی مخصوص غذا مہیّا کرنے کے لیے شہتوت کے بہت سے باغات بھی زین العابدین نے لگوائے تھے تاکہ مختلف مرکزوں پر ریشم مہیّا ہونے کی آسانی رہے۔

تیرھویں صدی سے پہلے کشمیر میں شال کی صنعت بھی موجود نہیں تھی۔ زین العابدین نے سب سے پہلے ترکستان کے پارچہ بافوں کو وادی میں بسایا اور انھوں نے کشمیری شال کا رواج شروع کیا۔ صرف نئے نمونوں کی شالیں تیار نہیں ہوئیں بلکہ بُنائی کی بھی نئی نئی ترکیبیں اِن شال بافوں کے ساتھ آئیں کیونکہ اُس طرح کی بُنائی کی شال ایران اور وسطِ ایشیا میں تو پائی جاتی ہیں لیکن ہندوستان اور پاکستان کے کسی علاقے میں نہیں ملتی —— یہ بُنائی دو سُوتی مشجّر کی بُنائی کہلاتی ہے۔ زین العابدین کے عہد میں کشمیر اپنی شالوں کے لیے بہت مشہور ہو چکا تھا، یہ باہر بھی بھیجی جاتی تھیں اور تحفوں میں بھی دی جاتی تھیں۔ جب مغلوں نے کشمیر فتح کیا تو شال کافی ترقی یافتہ حالت میں تھی۔

زین العابدین نے ہی سب سے پہلے کشمیر میں کاغذ بنانے کی ابتدا کی ۔ یہ صنعت حکومت کے ہاتھ میں تھی اور سلطان خود اِس میں خاص دل چسپی لیتا تھا ۔ کشمیر کا بنا ہوا کاغذ ریشم کی طرح نرم اور دیکھنے میں چمکدار ہوتا تھا ۔ مغلوں کے عہد میں بھی کشمیر ہی ہندوستان کو کاغذ سپلائی کرتا تھا ۔ کچھ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اِس کاغذ میں ایک عجیب و غریب اور خاص کمال یہ تھا کہ لکھے ہوئے کاغذ پر سے روشنائی کو دھوکر، کاغذ کو دوبارہ استعمال کیا جا سکتا تھا ۔

شیشہ بنانے کی صنعت بھی زین العابدین کے عہد میں رائج ہوئی ۔ شیشے کے برتن خاص کر مشروبات کے پیالے وغیرہ جن میں کٹاؤ بھی ہوتا تھا اور وہ سفید اور رنگین دونوں قسم کے بنتے تھے ۔

کشمیر میں فارسی زبان کے پھیلنے اور ترقی کرنے میں بھی سلطان زین العابدین کی کوششوں کو بڑا دخل ہے ۔ وہ خود شاعر تھا اور فارسی میں دو نثری کتابوں کا مصنف بھی ۔ در اصل صورتِ حال کچھ ایسی تھی کہ سنسکرت کا زوال شروع ہوگیا تھا اِس لیے زین العابدین نے سنسکرت کے ساتھ ساتھ

فارسی کو بھی رواج دیا اور سرکاری کاموں میں دونوں ہی استعمال ہونے لگیں ، فارسی کے سرکاری زبان ہوجانے کے باوجود اُس نے سنسکرت کو قائم رکھا اور اُس کی بڑی قدر کی ۔ سنسکرت کی تاریخی اور علمی کتابوں میں سے بہت سی کتابوں کو اُس نے فارسی میں ترجمہ کروایا۔ یون راج ، شری ور ، پراجیہ بھٹ ، وغیرہ اس دَور کے بڑے سنسکرت عالم تھے ۔ ناتھ سوم پنڈت نے کتاب "جین چرت" اور بودھ بھٹ نے "جین پرکاش" لکھی اور یہ دونوں ہی کتابیں زین العابدین کی ہی شخصیت اور عہد کے متعلق ہیں ۔

وادی میں تعلیم کی ترقی کے لیے سلطان زین العابدین نے سب سے زیادہ کوشش کی ۔ اُس نے نوشہر (نیا سری نگر) میں ، اپنے محل کے پاس ایک اسکول کھولا اور مولانا کبیر کو اس کا منتظم بنایا تھا جہاں سلطان خود کبھی کبھی مولانا کے لیکچرز سُننے جایا کرتا تھا ۔ اسکول کے اخراجات کے لیے اس نے الگ ایک سرکاری وقف بنایا ۔ اس وقف سے غریب طالب علموں کو وظیفے دیے جاتے تھے اور اُن کے رہنے سہنے ، کھانے پینے اور دیگر

اخراجات کا انتظام کیا جاتا تھا۔ مولانا کبیر اِس وقف کا سارا انتظام خود کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطان نے زین گر میں ایک اعلیٰ تعلیم کا مدرسہ اور اسلام آباد کے پاس، چھن پورے میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا۔ اِن مدرسوں کا خرچ بھی شاہی خزانہ سے پورا ہوتا تھا۔ بابا اسمٰعیل کی خانقاہ میں بھی تعلیم کا انتظام تھا اور بابا اسمٰعیل کی لیاقت اور اُن کے علم کا اِتنا چرچا تھا کہ صرف کشمیر ہی نہیں باہر سے بھی، ہندوستان، ہرات اور ماوراُلنہر سے بھی طالب علم کھنچے چلے آتے تھے اور اُن کی خانقاہ میں علم کے شوقین لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہتی تھی۔

زین العابدین کو علم سے اِتنی دل چسپی تھی کہ وہ وادی کے باہر بھی تعلیم پھیلانے والے اداروں کی مدد کیا کرتا تھا۔ چنانچہ سیالکوٹ کے مدرسۃ العلوم کو اُس نے چھ لاکھ روپیہ چندہ دیا تھا اور اُس کی ملکہ نے اپنے گلے کا ایک بیش قیمت زیور بھی مدرسہ کو بطورِ عطیہ دیا تھا۔ اس مدرسہ میں تمام قِسم کے علوم — ریاضی، نجوم، طب، وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس طرح کے تعلیمی مدرسوں کے علاوہ سلطان نے بہت سے ایسے مدرسے

بھی کھلوائے اور اُن کی سرپرستی کی جہاں ہنر اور دستکاریاں سِکھانے کا انتظام کیا گیا۔ مثلاً دھات کے برتنوں اور لکڑی پر نقاشی، کاغذ بنانا، ریشم بنانا، میناکاری، جلدسازی، کشیدہ کاری وغیرہ طرح طرح کی ایسی دستکاریاں سِکھائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے کشمیر کی شہرت دُور دُور پھیل گئی۔

6

سلطان زین العابدین کے متعلق کچھ حکائتیں

چند سال ہوئے میں کشمیر گئی تھی، سری نگر میں قیام تھا اور ہر چوتھے پانچویں دن کہیں نہ کہیں جانے کا پروگرام بن جاتا تھا، کبھی پہلگام، کبھی گلمرگ کبھی پرانگ اور کبھی کہیں اور —— جس دن ہم سری نگر پہنچے تو شام کو اپنے ٹھکانے سے گھومنے نکلے، ہمارا گیسٹ ہاؤس، ڈل کے بالکل پاس تھا۔ کنارے کنارے چلتے ہوئے ہم نے مانجھیوں کو کشتیاں پانی میں کھیتے دیکھا، مزدوروں کو بہت بھاری بھاری سامان اٹھاتے دیکھا اور میں نے بار بار یہ آواز سنی ——

"بڈشاہ پادشاہ" —— "بڈشاہ مددگار" —— "بڈشاہ پادشاہ" ——

پھر مجھے کشمیری دوستوں نے بتایا کہ یہاں پر غریب اور مزدوری

کرنے والے لوگ کوئی بوجھ اُٹھاتے وقت یا مُشکل کام کرتے وقت سلطان زین العابدین کا نام لیتے ہیں جسے وہ پیار سے "بڈشاہ" کہتے ہیں ۔ آج کے کشمیری غریبوں اور مزدوروں اور بڈشاہ میں صدیوں کا فاصلہ ہے —— لیکن عوام اپنے نیک دل، رعیت سے محبت کرنے والے اور منصف و غریب پرور بادشاہ کا نام آج تک عزّت سے لیتے ہیں اور مُشکل کے وقت اسے ہی یاد کرتے ہیں۔

یہ بات ہمیشہ ایک پہیلی رہی اور کسی مورّخ نے اِس کی وجہ نہ بتائی کہ کسی ایک نسل کا کوئی ایک بادشاہ 'اعظم' کیوں کہلاتا ہے؟

میرا خیال ہے کہ کسی بادشاہ کے سر پر عظمت کا تاج رکھنے والے وہ معمولی انسان ہوتے ہیں جن کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں آتا۔ لیکن وہ عام رعیت ہی ہوتی ہے جس میں ہر دل عزیز ہو کر وہ بڑا کہلاتا ہے جیسا کہ سلطان زین العابدین کی زندگی اور اُس کے کام

دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوتا ہے۔

ایسے سلطانوں کے متعلق بہت سی کہانیاں کہی جاتی ہیں، جو لوگوں میں سینہ بسینہ چلتی ہیں۔ میں نے کشمیر میں کچھ کہانیاں سُنیں اور کشمیر میں جہاں کہیں گئی ان ہی کہانیوں کو بدلے ہوئے روپوں میں سُنا، جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ ان ساری کہانیوں میں سچائی ضرور ہوگی، البتہ کہنے والوں کو یہ حق ہے کہ اپنے کسی پیارے کے متعلق بات کریں تو اپنے دل دماغ سے بھی اس کو ذرا اور خوب صورت بنادیں۔

جیسا کہ آپ نے پڑھا سلطان زین العابدین اپنے پڑوسی ملکوں سے دوستی اور اُن کے ساتھ امن قائم رکھنے کا خواہش مند رہتا تھا۔ چنانچہ ترکستان، آذربائیجان، مِصر، ترکی، سیستان، مکّہ، گیلان اور تبت وغیرہ سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے اور ان کے ساتھ تحفوں کا لین دین مستقل ہوتا رہتا تھا۔

چنانچہ ایک کہانی ہے کہ تبّت کے فرماں روا نے سلطان زین العابدین کو ایک ایسا ہنسوں کا جوڑا تحفہ میں بھیجا تھا جو دودھ اور پانی کو الگ کر سکتا تھا یعنی کہ دودھ پی لیتا اور پانی چھوڑ دیتا تھا۔ ہمارے یہاں بھی سرسوتی کے متعلق (جو علم کی دیوی ہے) یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہنس کی سواری کرتی ہے کیونکہ ہنس جب تیرتا ہے تو کائی اور پانی کو الگ کرتا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ علم کے بغیر آپ اچھے اور بُرے میں فرق نہیں کر سکتے اور علم جب بڑھتا ہے تو نیکی اور بدی کا فرق معلوم ہوتا جاتا ہے۔

اپنے سلطان کی انصاف پسندی پر عوام کی یہ حکائت کتنی پیاری ہے!
ضلع کمراج کے کسی شخص کی ایک گائے کھو گئی تھی۔ کمراج جھیل کا علاقہ ہے۔ چار سال بعد اُسے وہ گائے مراج کے ایک ضلع میں کسی کے پاس ملی۔ اُس نے اُسے واپس لینے کی بڑی کوشش کی لیکن جس کے پاس وہ تھی اُس نے دینے سے انکار کر دیا۔ آخر

اُس کا اصلی مالک پریشان ہوکر سلطان زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست دی ۔ شاہی تفتیش کے جواب میں مزاج والے آدمی نے کہا کہ گائے تو ہمیشہ سے اُس کی ہی ہے ۔ اِس بیان کو آزمانے کے لیے سلطان نے ، اپنے سامنے ، اُس گائے کے آگے ایسے سنگھاڑے ڈلوائے جو صرف جھیل کے علاقے میں جانور کھاتے ہیں ۔ گائے ایک دَم بڑے شوق سے ، اُن پر ٹوٹ پڑی ـــــ لیکن جب وہی سنگھاڑے گائے کے بچھڑے کے سامنے ڈالے گئے تو اُس نے منھ پھیر لیا اور نہیں کھائے جس سے سلطان نے ، بجا طور پر ، یہ نتیجہ نکالا کہ گائے جھیل کے ضلع کی ہے اور اس غذا کی عادی ہے مگر بچھڑا اس علاقے میں پیدا نہیں ہوا لہٰذا وہ یہ چیز نہیں کھاتا ، پھر چور کو دھمکی دی گئی اور اُس نے سزا کے ڈر سے اپنا جرم قبول کرلیا ۔

اِسی طرح سے ایک اور قصّہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے بچے کو خود مار ڈالا اور کسی دوسری عورت پر الزام لگا دیا ۔ سلطان کی

طرف سے ملزم عورت کو طرح طرح سے دھمکیاں دی گئیں، مگر وہ یہی کہے گئی کہ میں بے گناہ ہوں، میں نے بچے کو نہیں مارا۔ آخر کار سلطان نے کہا کہ اگر تم ان تمام مردوں کے سامنے اپنے سارے کپڑے اُتار دو اور بازار سے گزرتی ہوئی گھر چلی جاؤ تو تمھیں بے گناہ مان لیا جائے گا"۔ ——اُس نے کہا کہ میں اِس ذلّت کے مقابلے میں سزائے موت پانے کو بہتر سمجھتی ہوں۔ خدا میرا انصاف کرے گا"—— پھر سلطان نے اُس عورت کو بُلایا جو الزام لگا رہی تھی اور اُس سے بھی یہی کپڑے اُتار نے والی بات کہی۔ وہ فوراً راضی ہوگئی اور کپڑے اُتار نے ہی لگی تھی کہ سلطان نے اُسے روک دیا اور کہا کہ "یہ جُرم تم نے ہی کیا ہے۔ تم نے خود ہی، غلطی سے یا کسی بھی طرح اپنے بچّے کو ہلاک کر ڈالا ہے اور اب دوسری عورت کے سر الزام تھوپتی ہو"—— آخر تھوڑی سی مار کھانے کے بعد اس عورت نے قبول دیا کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔

زین العابدین سے پہلے لین دین کے کاغذات کی باقاعدہ رجسٹری یعنی حاکم یا منصف کے یہاں اندراج نہیں ہوتا تھا اور زمین کی خرید و فروخت میں بہت بے ایمانیاں ہوا کرتی تھیں۔ سادی لکھا پڑھی میں طرح طرح سے لوگ ایک دوسرے کو دھوکا دے سکتے تھے اور دیتے رہتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے جس کا نام لالہ راج تھا، اپنی زمین کے دس ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا کسی کے ہاتھ بیچا۔ لکھا پڑھی تو ہوئی مگر رجسٹری کا رواج ہی نہیں تھا، سو وہ نہیں کی گئی۔ کچھ عرصہ بعد لالہ راج کا انتقال ہوگیا اور اس ٹکڑے کے خریدار نے لکھا پڑھی کے اندراج میں کچھ بے ایمانی کرکے کچھ اس طرح بدل لیا کہ جیسے لالہ راج نے دس میں سے ایک ٹکڑا نہیں بلکہ وہ سب دسوں کے دسوں اس کے ہاتھ بیچے تھے۔ لالہ راج کے بیٹے نے سلطان کے یہاں فریاد کی۔ لیکن اس سودے کو غلط کیسے ثابت کیا جاتا۔ سلطان نے

اُس کاغذ کو منگواکر پانی میں ڈلوایا تو جو کچھ نئی تبدیلی کی گئی تھی وہ فوراً دُھل گئی اور اصل تحریر نکل آئی - اِس طرح بے ایمانی کرنے والے کو سخت سزادی گئی۔

سُلطان نے غیر مذہبی پالیسی محض ہر دل عزیز بننے کے لیے پسند کی نہ تھی، بلکہ اس کا نظریہ ملک میں امن و امان قایم کرنا تھا۔ ساری رعایا جب اُس سے محبّت کرے گی تو وفادار بھی رہے گی اور تعمیل حکم بھی کرے گی، ہندوُوں کے ساتھ ملنے سے تعمیر اور ترقی میں زیادہ جوش و خروش پیدا ہوگا، مقامی لوگوں کی تمام لیاقت اور قابلیت کو سلطنت کی خوشحالی کے لیے استعمال کیا جا سکے گا ــــ لیکن سلطان کی یہ پالیسی جس طرح شروع ہوئی اس کے متعلق ایک بڑا دلچسپ قصّہ بیان کیا جاتا ہے۔

تخت نشینی کے شروع دَور میں ایک بار سُلطان زین العابدین بڑا سخت بیمار ہوا۔ بہت سے مسلمان حکیموں نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا

پھر کچھ درباری امیروں کی رائے سے کسی ہندو وید کی شدید تلاش ہونے لگی اور خوش قسمتی سے ایک لائق وید مل گیا۔ جس کا نام شریہ بھٹ تھا اور جس کے علاج سے سلطان بالکل تندرست ہوگیا۔

ایس، ایل، سادھو کا بیان ہے کہ روائت کے مطابق سلطان کی مذہبی رواداری کی پالیسی کے اعلان سے پہلے حسبِ ذیل گفتگو اُس کے اور بھٹ کے درمیان ہوئی تھی۔ میں نے بھی یہ قِصہ کشمیر میں سُنا ہے۔

جب سلطان نے بھٹ کو سونا چاندی جواہرات اور جاگیر کی پیش کش کی تو بھَٹ نے جواب دیا "بادشاہ سلامت، میں ایک معمولی آدمی ہوں اور میری ضروریات بہت کم ہیں۔ مجھے اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے جو کچھ درکار ہوتا ہے وہ بھگوان کی دیا اور آپ کی مہربانی سے حاصل ہوتا ہی رہتا ہے، مجھے جواہرات اور جاگیر کی کوئی خواہش نہیں ہے ..." اور یہ کہتے کہتے وہ کچھ رُک سا گیا۔

شریہ بھٹ کے بات کرنے کے انداز سے ذہین سلطان بھانپ گیا کہ

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے مگر جھجھک رہا ہے ، چنانچہ سلطان نے کہا " ہم محسوس کرتے ہیں کہ شریہ بھٹ کے دل میں اور بھی کچھ ہے جو وہ کہتے ہوئے رُک رہا ہے ۔ شریہ بھٹ نے ہمیں نئی زندگی عطا کی ہے ، اس لیے اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلطان کا ان سے وعدہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے دِل کی کوئی بھی بات صاف کہیں گے تو اُن کو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا ۔"

شریہ بھَٹ نے کہا " عالی جاہ ، میری جان ، میرے سلطان کی امان میں ہے جب اس نے میری جان کی امان دے دی ہے تو میں اپنی ایک درخواست بیان کرتا ہوں ۔ بادشاہ سلامت اپنی ہندو رعایا کو بھی ویسی ہی آزادی سے زندگی بسر کرنے کا حق عطا فرمائیں جیسی کہ آپ کی مسلمان رعایا کو حاصل ہے کیونکہ رعایا بادشاہ کے لیے اولاد کے برابر ہوتی ہے اور منصف بادشاہ کے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ایک اولاد اور دوسری میں فرق کرے ۔ فی الحال ہندوؤں کو کئی مجبوریاں اور ان کے لیے کئی

مشکلات ہیں ۔ انھیں ایک خاص ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے ، اپنے مندروں اور معبدوں میں انھیں عبادت کرنے کی ویسی آزادی نہیں جیسی کہ ہونی چاہیے ۔ اپنی روائتوں اور رسموں کے مطابق لباس وہ نہیں پہن سکتے اور اپنے بچّوں کو ویسی تعلیم نہیں دے سکتے جیسی کہ کبھی دیا کرتے تھے .....“

سلطان اپنے علاج کرنے والے وید کی درد بھری باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس سے اور آگے نہ سُنا گیا اور وہ بولا ” بس کیجیے شریہ بھٹ ۔ آپ نے ہماری ہندو رعایا کی پریشانیوں کا کافی ذکر کر دیا ۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم سے یہ گناہ ضرور سرزد ہوا ہے کہ ہم نے انھیں وہی حقوق نہیں دیے جو ہماری مسلمان رعایا کو حاصل ہیں ۔ آیندہ سے ان کو پورا اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہیں اپنے خدا کی عبادت کریں اور اُن پر سے ہر پابندی ہٹالی جائے گی اور وہ اُسی طرح زندگی بسر کرسکیں گے جس طرح کہ ہماری رعایا کے مسلمان بسر کرتے ہیں “

اس قصّے کو جب کوئی عام کشمیری سُناتا ہے تو وہ خود اتنا متاثر

ہو جاتا ہے کہ یہ بات کرتے کرتے اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

ایک قصہ تازی بھٹ کے قصہ کے نام سے کہا جاتا ہے اور کافی مشہور ہے۔ ایک بار سلطان زین العابدین نے تیر اندازی کا ایک مقابلہ کیا تھا اور ایک خاص نشان پر ایک خاص دوری سے تیر مارنے کے لیے کافی بڑا انعام اور جاگیر اور پھر منصب کا اعلان کیا گیا۔ ملک بھر سے بڑے بڑے تیر انداز آئے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ شاہی فوج کے بھی کچھ افسروں نے حصہ لیا لیکن نشانے پر تیر نہ لگا سکے۔ پھر ایک غریب پھٹے حال آدمی جو تماشہ دیکھنے والوں میں شامل تھا اور بڑے شوق سے یہ مقابلہ دیکھ رہا تھا، سامنے آیا اور سلطان سے درخواست کی کہ اُسے بھی اجازت دی جائے۔ سلطان نے اجازت دے دی لیکن سلطان کے امیر و وزیر اس کی ہنسی اُڑانے اور مذاق میں چلّا چلّا کے اُس کی ذلّت کرنے لگے۔ بہر حال اُس نے کوئی پرواہ نہ کی، میدان میں آیا، کمان اُٹھائی اور تیر چلا دیا۔

تیر سیدھا جاکر نشانے پر بیٹھا۔ عام لوگ بڑے خوش ہوئے کیونکہ وہ اُن ہی میں سے ایک تھا، وہ سب اس کے چاروں طرف اکٹھا ہوگئے اور اُسے گود میں اُٹھاکر سلطان کے حضور میں لے گئے، غریب تازی بھٹ کو انعام دیا گیا اور اس وقت سے اُس کی غریبی ختم ہوگئی اور سب دَلّدر کٹ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت سے ہی کشمیری کی یہ مثل چل پڑی ہے:

گریہہ رلی آسی کا سون شاہاس

تیلی ہو مالی سپدی تازی بھٹ کان

(اگر خدا کو تمھاری بدنصیبی دور کرنی ہوگی تو خوش نصیبی تم پر یوں پھٹ پڑے گی جیسے تازی بھٹ پر تیر نشانے پر لگانے کے بعد نازل ہوئی تھی)

یہ تازی بھٹ بعد کے زمانے میں کافی بڑا آدمی بنا اور سیّدوں کے خلاف کشمیریوں کی بغاوت کی رہنمائی اس نے ہی کی تھی۔ کشمیر میں اُس کی جرأت ہمت اور سچّائی کے قصے مشہور ہیں اور تقریباً ہر قصے کے ساتھ یہ ضرور کہا جاتا ہے " یہ وہی تازی بھٹ تھا، جسے سلطان زین العابدین نے اپنے امیروں، وزیروں

کے مقابلے میں ، تیر چلانے کی اجازت دی تھی اور اس کے پھٹے کپڑوں اور
غریبی کا کوئی خیال نہیں کیا تھا "

اس طرح آج صدیوں بعد بھی ، کشمیر کے لوگ اپنے اُس نیک دل
اور انصاف پسند بادشاہ کو یاد کرتے اور اس کا ذکر کرکے خوش ہوتے ہیں ۔
جو تاریخ کے صفحات میں 'بڈشاہ' کے نام سے محفوظ ہے ۔

